عبد القادر

ہفت روزہ

ترجمان اسلام

لاہور

نگران اعلیٰ
مولانا مفتی محمود

23/39

قیمت ایک روپیہ پچاس پیسہ

ہم کیا کر رہے ہیں اور کیا کرنا چاہئے!

اداریہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی نظام اصولاً جمہوری ہے

۲۵ ستمبر تا ۲ اکتوبر ۱۹۸۰ء شمارہ ۳۹

اے مدح خوانِ سرورِ کونین آئیے

کب دیکھتے ہیں عشرت و آرام کی طرف
جنکی نظر ہے گردش ایّام کی طرف

کچھ کر رہے ہیں خدمتِ دینِ شہ اُمم
کچھ لوگ دوڑتے ہیں فقط نام کی طرف

کچھ ہو گئے ہیں لذّتِ دُنیائے دوں میں گم
کچھ کی نظر ہے آج بھی انجام کی طرف

لا دینیت کے دام میں کچھ پھنس کے رہ گئے
کچھ گامزن ہیں جادۂ اسلام کی طرف

ساقی کے التفات سے کچھ سیر ہو گئے
کچھ دیکھتے رہے مئے گلفام کی طرف

پیشِ نظر رفاقتِ اہلِ ہدیٰ ہے گر
دیکھے نہ پھر مصائب و آلام کی طرف

اے مدح خوانِ سرورِ کونین آئیے
کچھ تو خدا رسولؐ کے احکام کی طرف

خلقِ محمدیؐ سے کیوں اعراض اسقدر
کیوں لے گئے ہو قوم کو دشنام کی طرف

منزل نصیب ہو تجھے اے میر کارواں
اک چشمِ التفات ہو اکرام کی طرف

اکرام القادری

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

جلد نمبر ۲۲ | شمارہ نمبر ۳۹

جمعۃ المبارک ۱۵ ذیقعدہ ۱۴۰۰ھ

سرپرست
مولانا عبید اللہ انور

مدیر
اکرام القادری

مدیر معاون
عمیر الہاشمی

بدلِ اشتراک
سالانہ
۶۵ —— روپے
ششماہی
۳۳ —— روپے
سہ ماہی —— ۱۷ روپے
قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے

خط و کتابت : ترجمانِ اسلام چوک رنگ محل لاہور

خط و کتابت کا پتہ — مینیجر ہفت روزہ ترجمان اسلام چوک رنگ محل لاہور۔

ہم کیا کر رہے ہیں اور کیا کرنا چاہیئے!

شیرانوالہ لاہور میں منعقدہ نظام العلماء پاکستان کے دینی اجتماع میں ملک کے چاروں صوبوں اور دُور دراز حصّوں سے آنے والے کثیر تعداد میں مندوبین نے اسلامی نظام کی تنفیذ اور دینی خدمات کے سلسلے میں جس جوش و جذبے کا مظاہرہ کیا وہ قابلِ صد ستائش اور لائق تحسین ہے۔ اس دینی اجتماع میں خصوصیت کے ساتھ افغانستان میں روسی جارحیت اور اندرونِ ملک کمیونزم کی اشاعت پر اضطراب اور تشویش کا اظہار کیا گیا اور یہ عہد کیا گیا کہ مساجد میں خطبات اور دینی اجتماعات کے ذریعہ عوام کو افغانستان میں روسی جارحیت اور مظالم سے آگاہ کیا جائے اور ملک میں کمیونزم کے خطرے کا سدّباب کیا جائے۔

اس اجتماع میں یہ حقیقت زیر بحث آئی کہ اگر ان نازک حالات میں پاکستانی قوم خوابِ غفلت کا شکار رہی اور ملک کی سرحدوں پر ہونے والے حالات و واقعات کے نتائج پر غور و فکر کرتے ہوئے اپنے آپ کو مستعد اور تیار نہ کیا گیا تو پاکستان کی سالمیت اور خود مختاری پر بھی آنچ آسکتی ہے۔ روسی فوج کے مقابلے میں مجاہدینِ افغانستان کی دینی اور قومی خدمات کو بھرپور خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا گیا کہ یہ مجاہدین ملّتِ اسلامیہ کے بقاء اور تحفظ کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ہمیں ہر طرح سے ان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے۔

بھارت کے مسلمانوں پر کئے جانے والے مظالم پر بھی انتہائی دُکھ اور کرب کا اظہار کیا گیا کہ عین عید کی مسرتوں کے موقع پر مرادآباد کی عیدگاہ میں نماز کے لئے آنے والے نہتے مسلمانوں پر مسلح پولیس اور ہندو غنڈوں نے ظلم و ستم توڑا جو قابلِ نفرت و مذمت ہے۔ اس جبر و تشدد اور قہر و غضب نے ہندوستان کے حکمرانوں کے ان دعووں کی قلعی کھول کر رکھ دی جو وہ آئے دن کرتے رہتے ہیں کہ بھارت میں جمہوریت اور سیکولرازم کی کارفرمائی ہے۔

نظام العلماء کے اس نمائندہ اجتماع میں ملک کے مختلف گوشوں سے محض دینِ اسلام کی سربلندی کے جذبے سے شرکت کرنے والے سینکڑوں مندوبین اور نظام العلماء کے لاکھوں کارکنوں کی خدمت میں ہم پوری دلسوزی کے ساتھ عرض کریں گے کہ وہ اپنے ذمہ دارانہ منصب کا خیال کرتے ہوئے آرام سے نہ بیٹھ جائیں بلکہ شب و روز محنت کر کے قوم کے تنِ مردہ میں روح پھونکیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ ذمہ داری ان نمائندہ حضرات کی ہے جنہوں نے اس دینی اجتماع میں اپنے قائدین کے خیالات کو گوشِ حق نیوش سے سُنا اور ملک و ملّت کو درپیش خطرات کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا۔ ان نمائندہ حضرات کو چاہیئے کہ وہ مساجد کے اندر دینی اجتماعات منعقد کر کے جماعتی کارکنوں کو قائدین کے خیالات سے آگاہ کریں اور کارکنوں کے تعاون کو ملحوظ رکھتے ہوئے عوام تک اپنی بات پہنچانے کا اہتمام کریں۔ عوام کو بتایا جائے کہ لادینی قوتیں اور کمیونزم کے پرستار کتنی مستعدی، برق رفتاری اور منصوبہ بندی سے اپنا کام کر رہے ہیں،

نظام العلماء کے ہر کارکن کو خواہ وہ جماعت کا عہدہ دار ہے یا نہیں اپنے آپ کو نظم و ضبط کا عادی بنانا چاہیئے اور اپنی صفوں کو منظم کر کے خدمتِ اسلام کے لئے آگے بڑھنا چاہیئے۔ ہفتہ وار دینی اجتماعات کا باقاعدہ سلسلہ بلاتاخیر شروع کر دینا چاہیئے اور جہاں جہاں ممکن ہو نظام العلماء

کے دفاتر قائم کرنا انتہائی ضروری ہے اور ان دفاتر کا باقاعدگی سے کھلنا بھی جماعتی استحکام کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ جہاں جماعت ابھی دفاتر قائم کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے وہاں مساجد میں ہفتہ وار دینی حلقے اور ماہانہ تبلیغی اجتماعات منعقد کئے جاسکتے ہیں۔

ان اجتماعات میں شرکت کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے استفادے کا موقع فراہم ہوتا ہے اور کارکنوں کی باہمی معمولی غلط فہمیاں اور رنجشیں دور ہوتی رہتی ہیں اور رائی کے پہاڑ بننے کی نوبت نہیں آتی۔ ایک دوسرے کے علاقوں کی ضرورتوں کا بھی پتہ چلتا رہتا ہے اور مشترکہ سوچ بچار اور قوت کے ساتھ رفاہی کاموں کے کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ بعض شہری سطح کی ضرورتیں متعلقہ حکام کے تعاون سے پوری کرلی جاتی ہیں اور بسا اوقات حکام کے تعاون کے بغیر بھی باہمی تعاون سے خاصے پیچیدہ اور اہم مسائل پر بروقت قابو پالیا جاتا ہے۔

جوش و جذبات کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ چیزیں بھی اپنے وقت پر کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن بنیادی اہمیت نظم وضبط اور مداومت عمل کو ہی حاصل ہے۔ سیرت پیغمبر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ کے کردار اور اسلاف کے کارناموں اور تاریخی تجربات سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ عمل خواہ تھوڑا ہو مگر مسلسل ہو تو انسان منزل مقصود سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔

آج کے بعد ہمیں پختہ عہد کرلینا چاہیئے کہ ہم اپنے اسلاف کے طرز پر مثبت انداز میں مسلسل و متواتر کام کرتے رہیں گے تاآنکہ گوہر مقصود حاصل نہ ہوجائے۔ ذاتی مفادات کی ہماری نظر میں کوئی وقعت نہیں ہونی چاہیئے۔ ہماری تمام تر توانائیاں قومی اور ملی مفادات کے لئے صرف ہونی چاہئیں۔ اپنے اسلاف کی درخشندہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے معمولی خذف ریزوں اور جھوٹے وقار کو پائے استحقار سے ٹھکرا دینا چاہیئے۔ اسی صورت میں ہم اپنے اسلاف کے سچے پیروکار بن سکتے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، سید احمد بریلویؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہندؒ، سید حسین احمد مدنیؒ اور ابوالکلام آزادؒ سے نسبت کا یہ تقاضہ ہرگز نہیں کہ ہم بے عملی، سست روی اور تکاسل و تساہل کا شکار رہوں اور ملی مفادات کو معمولی ذاتی مفادات پر قربان کردیں۔ اگر ہم نے اس روش کو اپنائے رکھا تو یہ ان عظیم اسلاف کے مشن سے غداری اور ان کی عظمتوں کے عروج کو گہنانے کی کوشش کے مترادف ہوگا۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ کوئی بھی قوم جماعت اور طبقہ محض اپنے عظیم اسلاف کے کارناموں کے خوبصورت تذکرے کے بل بوتے پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ عزت کی زندگی اسی وقت حاصل ہوگی جب خود کچھ کر کے دکھایا جائے گا۔ "پدرم سلطان بود" کا نعرۂ پارینہ لگانے سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اب جہد للبقاء کی ضرورت ہے۔ ہم لاکھ بار اپنے آپ کو ولی اللہی کہتے رہیں جب تک ہم شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی منزل کا راستہ تلاش نہیں کریں گے ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔ شہدائے بالاکوٹ کا صرف تقریروں میں نام لینے سے اسلام کی سربلندی کی بیل منڈھے نہیں چڑھے گی۔ اس کے لئے ہمیں اپنے خون کا نذرانہ بارگاہ رب العزت میں پیش کرنا ہوگا۔

جہاد شاملی، اسارت مالٹا اور جنگ آزادی کے محض تذکروں سے ہمارے عمل کی میزان کا پلڑا بھاری نہیں ہوسکتا بلکہ اس سے تو شدید خطرہ ہے کہ اگر ہم نے اپنی بے عملی اور خوش گفتاری پر قانع رہتے ہوئے دعوت و عزیمت کے یہ تذکرے جاری رکھے تو لوگ کہیں ان سے اکتاہٹ نہ محسوس کرنے لگیں اور ان حقائق پر افسانے کا گمان نہ ہونے لگے۔

پانی سر سے گزر رہا ہے۔ اب ہمیں اپنی موجودہ روش کو خیرباد کہہ کر بے خطر میدان عمل میں کود پڑنا چاہیئے اور اپنے کاموں میں تسلسل و تواتر پیدا کرنے کی ہر ممکن سعی کرنی چاہیئے۔ ہمیں اپنے مرکزی دفتر سے رابطہ کی کمزور ڈوری کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے اور مرکز سے آمدہ ہدایات کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔ جماعتی آرگن "ترجمان اسلام" کے سلسلے میں بھی ہماری روش افسوسناک ہے۔ ہر شہر اور ہر قصبے میں ترجمان اسلام کی ایجنسیاں قائم ہونی چاہئیں اور جماعتی ذمہ دار حضرات کو ماہ بہ ماہ ایجنسی ہولڈر سے پڑتال کرنی چاہیئے کہ کہیں وہ اس دینی ادارے کی رقم تو شیر مادر سمجھ کر ہضم نہیں کر رہا۔ ہر کارکن کو لازمی طور سے ترجمان اسلام خریدنا چاہیئے اور اپنے علاقے کے مسائل، رفاہی سماجی کارکردگی، اپنی دینی خدمات اور مفید تجاویز سے آگاہ کرتے رہنا بھی ادارے کے ساتھ تعاون کی ایک عمدہ صورت ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری یہ پکار صدا بصحرا ثابت نہ ہوگی اور ہمارے جماعتی احباب اپنے رویہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے نظام العلماء کے نظام کو قابل رشک بنادیں گے اور گفتار کی بجائے کردار کے غازی بنیں گے۔ وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے اور لادینیت کے انواع و اقسام کے فتنے نت نئے انداز سے سامنے آرہے ہیں۔ ان فتنوں سے نبرد آزما ہونے کی ذمہ داری انہی لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو اپنے آپ کو اسلاف کا علمی و عملی وارث خیال کرتے ہیں۔ ایک ماہ کے اندر اندر اگر دفاتر کے قیام اور ہفتہ وار مل بیٹھنے کے پروگرام کی تکمیل ہوگئی تو یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ خدا ہم سب کو اپنی ذمہ داری کا جوا اٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

مولانا زاہد الراشدی

اسلامی نظام - اصولاً جمہوری ہے

کاروبارِ مملکت و حکومت کو عمومی اتفاق سے چلانے کی روایت خلافت راشدہ میں قائم ہوئی تھی۔

نوائے وقت (۳۰ اگست) میں ایک بزرگ سیاست دان میاں جعفر شاہ صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے پارلیمانی نظام کے سلسلے میں مولانا مفتی محمود کے ایک بیان کو ہدف تنقید بناتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ مفتی صاحب کو پارلیمانی نظام کا علمبردار بننے کے بجائے صرف اسلامی نظام کی بات کرنی چاہیئے۔ موصوف کے ارشادات پر اظہارِ خیال سے پہلے اصولی طور پر یہ نئی عمومی روش لائق توجہ ہے جو اسلام اور جمہوریت کو ایک دوسرے کی عین ضد ثابت کرنے کے لیے اختیار کی جا رہی ہے اور کئی اچھے خاصے اہل علم بھی اس عمومی رو میں بہہ گئے ہیں۔

یہ درست ہے کہ مغرب میں مروجہ جمہوریت کے تمام معمولات اسلام کے مطابق نہیں، بلکہ اس کے کچھ اصول ایسے بھی ہیں جنہیں اسلام کسی حالت میں قبول نہیں کرتا، لیکن جمہوری نظام کے کئی بنیادی اصول ایسے بھی ہیں جو اسلامی تعلیمات سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اس لیے ہمیں حقیقت پسندی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے مروجہ جمہوریت کے وہ اصول اور معمولات قبول کر لینے چاہئیں جن کی طرف در اصل اسلام نے انسانیت کی راہ نمائی کی تھی، مگر وقت گذرنے کے ساتھ جب اسلامی احکام کی عملداری کا تسلسل ٹوٹ گیا تو یہ معمولات صرف مروجہ مغربی جمہوریت سے مخصوص ہو کر رہ گئے۔ جمہوریت کے نظام کی عمارت تین اصولوں (۱) رائے عامہ، (۲) نمائندگی اور (۳) اکثریت کے ستونوں پر استوار ہے جہاں تک رائے عامہ اور نمائندگی کا تعلق ہے اسلام بھی اس اصول کو تسلیم کرتا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانشین نامزد کرنے کے بجائے خلیفہ کے انتخاب کا فیصلہ "عمومی رائے" پر چھوڑ دیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمومی اتفاق کے ذریعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ باقی تین خلفائے راشدین کے انتخاب میں بھی عمومی اتفاق کے اصول کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا۔ الغرض اجتماعی مسائل اور حکومت کی تشکیل میں رائے عامہ کی بنیادی حیثیت اور نمائندگی کے اصول کو اسلام نے تسلیم کیا ہے البتہ "اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ" کا معاملہ مختلف ہے۔ اسلام صرف بنیاد کے طور پر تسلیم نہیں کرتا بلکہ فیصلوں کی نوعیت کے مطابق الگ الگ معیار پیش کرتا ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی اصول یہ ہیں:

۱۔ منصوص مسائل میں اکثریت بلکہ پوری قوم کی متفقہ رائے کو بھی کوئی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔

۲۔ علمی اور فنی نوعیت کے امور میں ماہرین کی رائے اور مشورے کو ترجیح اور فوقیت دی جاتی ہے۔

۳۔ انتظامی نوعیت کے عمومی مسائل اور حکومت کی تشکیل میں اکثریت کی رائے کا احترام تو کیا جاتا ہے، لیکن اسلام تھوڑا سا آگے بڑھ کر فیصلہ کرنے والوں کو نمائندگی کے علاوہ اہلیت اور کردار کی کسوٹی پر بھی پرکھتا ہے، چنانچہ اسلامی نظام میں حکومت اور اس کے تمام شعبوں کی تشکیل نمائندگی کے ساتھ اہلیت اور کردار کی بنیاد پر بھی کی جاتی ہے۔

جمہوریت کے ساتھ دوسرا مروجہ نظام کمیونزم ہے، جس کے بنیادی اصول:

۱۔ پرولتاریہ کی آمریت،

۲۔ انفرادی ملکیت سے انکار،

۳۔ خدا اور مذہب سے انحراف اور

۴۔ اخلاقی اقدار کی نفی ہیں، لیکن اسلام

ان میں سے کسی ایک کو بھی تسلیم نہیں کرتا البتہ (۱) قومی دولت میں تمام باشندگان ملک کے مساوی حق اور

(۲) معیار زندگی میں برابری کی بنیاد پر غیر طبقاتی معاشرہ کی تشکیل کو اسلام نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ کیمونزم سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ ان اصولوں کا علمبردار ہے —

اول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے بیت المال کی رقوم کو مساوی بنیادوں پر تقسیم کیا تو اعتراض ہوا کہ زیادہ فضیلت اور کم فضیلت والے لوگوں کو برابر کیوں دیا گیا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ ثواب اور فضیلت کا تعلق آخرت سے ہے " یہ معیشت ہے
اور س میں برابری ہی بہترین اصول ہے"
خلا ن راشدہ کے مبارک دور میں حکمران
طبقہ اصحاب ثروت اور عام افراد کے
در ن معیار زندگی کی مساوات عملاً قائم
کر ے حقیقی معنوں میں ایک غیر طبقاتی معاشرہ
دنیا ے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس بحث
او تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں حقیقت پسندی
ـ کام لینا چاہیئے اور مروجہ سیاسی و
حا ن نظاموں کی مخالفت کے جوش میں
ا ں صولوں کی بھی نفی نہیں کر دینی چاہیئے
جو ، جدید نظاموں نے دراصل دین حق
ا سلام سے اخذ کئے ہیں۔
جمہوریت کے متعلق اس اصولی وضاحت
، بعد اب میں پارلیمانی اور صدارتی
نظ کی بحث کی طرف آتا ہوں۔ ان دونوں
نظ وں میں نوعیت کے لحاظ سے فرق
م ے اتنا ہے کہ ایک میں مملکت اور
حکو مت کا سربراہ ایک ہی فرد ہوتا ہے اور
اخ یارات یکجا رہتے ہیں جبکہ دوسرے میں
مملک ے کا سربراہ الگ اور حکومت کا
سر اہ الگ ہوتا ہے اور اختیارات بھی
تقسیم ہو جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اسلام اختیارات کی تقسیم کو تسلیم کرتا ہے یا نہیں؟ میرے خیال میں اسلام اس اصول کو تسلیم کرتا ہے مثلاً عدلیہ اور انتظامیہ کی علیحدگی اس دور کا اہم مسئلہ ہے لیکن خلافت راشدہ میں اس کا وہ تصور نہیں تھا جو اس وقت ہے۔ خلیفہ بیک وقت انتظامیہ اور عدلیہ کا سربراہ تھا۔ انتظامی فیصلے بھی صادر کرتا تھا اور قاضی کی حیثیت سے مقدمات کی سماعت بھی کرتا تھا، لیکن بعد میں جب ضرورت محسوس ہوئی تو انتظامی اور عدالتی اختیارات کی تقسیم کے اصول کو قبول کر لیا گیا اور عدلیہ (قاضیوں) نے انتظامیہ (خلیفہ، سلطان) کے خلاف بھی فیصلے صادر کئے۔

سوچنے کا مقام یہ ہے کہ جب اسلامی تاریخ سے انتظامی اور عدالتی اختیارات کی تقسیم کا ثبوت مل جاتا ہے تو سربراہ مملکت کے حکومتی اور مملکتی اختیارات کی تقسیم میں کسی رکاوٹ کا کیا جواز ہے؟ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ پارلیمانی نظام کو اس کی فنی نوعیت کے لحاظ سے خلافِ اسلام قرار دینا درست نہیں۔ البتہ یہ پابندی قبول کرنی ہوگی کہ انتظامیہ یا عدلیہ اور مقننہ کی طرف سے کوئی فیصلہ اسلام کے واضح اصولوں اور احکام کے خلاف نہیں ہو سکے گا اور کاروبار حکومت اسلامی احکام و قوانین کے مطابق چلایا جائے گا۔ یہ پابندی صرف پارلیمانی نظام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ صدارتی طرزِ حکومت کی صورت میں بھی یہ پابندی عائد کرنی ہوگی۔ میرے خیال میں صدارتی اور پارلیمانی نظاموں کی نوعیت یکساں ہے اور ان میں سے کسی کو بہتر قرار دینے کی بحث میں اسلام کو فریق بنانا ہرگز درست نہیں۔

میاں جعفر شاہ صاحب کے مضمون سے پیدا ہونے والی دو غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ میاں صاحب نے فرمایا ہے کہ "جناب مفتی محمود کی یہ دلیل کہ ۱۹۷۳ء کا آئین مختلف وفاقی یونٹوں کے نمائندوں نے اتفاق رائے سے منظور کیا تھا سراسر غلط ہے کیونکہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں منتخب ہونے والے لوگوں کی حیثیت سب کو معلوم ہے۔ ان کی اکثریت صرف ایک آدمی کا حکم مانتی تھی اور حزب اختلاف سے بشمول مفتی صاحب جس طرح آئین پر دستخط لئے گئے تھے وہ بھی کوئی راز کی بات نہیں"۔ اس سلسلے میں حقیقت حال کی وضاحت کے لئے عرض کیا جاتا ہے:

۱۔ ۱۹۷۳ء کا آئین فی الواقع چاروں صوبوں اور تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندوں نے متفقہ طور پر منظور کیا تھا اور ان کی حیثیت یہ تھی کہ وہ اپنے اپنے حلقہ کے منتخب نمائندے تھے۔

۲۔ "آئین پر دستخط" کی اصل صورتحال یہ تھی کہ اپوزیشن نے آئین کے سلسلے میں حکمران پارٹی کی خودسرانہ روش پر احتجاج کرتے ہوئے اسمبلی کا بائیکاٹ کر رکھا تھا اور بلوچستان کے تمام ارکان اسمبلی اس بائیکاٹ میں شامل تھے۔ چنانچہ حکمران پارٹی حزب اختلاف کے بنیادی مطالبات کو تسلیم کر کے اسے ایوان میں واپس لانے پر مجبور ہوئی تھی جس کے بعد آئین عمومی اتفاق سے منظور ہوا تھا اور اسی سلسلے میں "دستخط لئے گئے تھے"۔ کمزور اقلیت میں ہونے کے باوجود یہ اس وقت کی حزبِ اختلاف کی بہت بڑی کامیابی تھی کہ اس نے اکثریت کے سرکش گھوڑے پر سوار حکمران پارٹی کو اپنے بعض بنیادی مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

میاں صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب سابق حکومت آئین ۱۹۷۳ء میں پے درپے ترامیم کر کے اس کا حلیہ بگاڑ رہی تھی تو اس وقت مفتی صاحب نے صدائے احتجاج بلند کیوں نہیں کی تھی۔ اس اعتراض کو "تجاہلِ عارفانہ" کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ اپنے اس مضمون میں میاں صاحب نے مفتی صاحب اور ان کے رفقاء کو اسمبلی سے اٹھا کر باہر

باقی صـ۱۱ پر

اللہ والوں کی دنیا

حافظ ارشاد احمد دیوبندی

سیدنا حضرت حمزہؓ و سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہما

عمیہ المکرمین بین النّاس۔ ابی عمارۃ الحمزۃؓ وابی الفضل العباسؓ

عبدالمطلبؓ کے سعید الفطرت دو بیٹے سیدنا حضرت حمزہ اور سیدنا حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما اسلام کی نعمتِ عظمیٰ سے مالامال تھے۔ سیدنا حضرت حمزہؓ نے ابتدا ہی میں اسلام قبول فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مصائب و تکالیف میں برابر شریک رہے۔ جب سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ قبولیت اسلام کے لئے بارگاہِ نبوت میں حاضری دینے کے لئے حاضرِ خدمت ہوئے تو حضرت سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اور آپؓ نے حضرت عمرؓ کو دیکھ کر فرمایا کہ:

"اگر عمرؓ نیک ارادہ سے آرہے ہیں تو بہتر' ورنہ شجاعت میں ہم بھی عمرؓ سے کم نہیں۔"

بالآخر حضرت سید الشہداءؓ نے بھی دیگر اجلہ صحابہ کرامؓ کی طرح ہجرت کی فضیلت حاصل کی اور غزوۂ بدر میں ایسی بہادری اور شجاعت سے لڑے کہ کفار بھاری جمعیت ہونے کے باوجود قدم نہ جما سکے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے، مگر اسلام کی عداوت کے باعث حضرت حمزہؓ کی عداوت ان کے دل میں پرورش پاتی رہی۔ جب احد کا میدان گرم ہوا اور لڑائی نے شدت اختیار کی تو اسلام کا یہ جری شیر اس طرح میدان میں ڈٹ کر لڑا کہ جدھر کا رُخ کرتا کفار سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوتے اور ان کے حوصلے پست ہو جاتے۔ حضرت حارث التیمیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا حمزہؓ بن عبدالمطلب یوم بدر میں شتر مرغ کے پر کا جھنڈا لئے ہوئے تھے تو مشرکین میں سے ایک آدمی نے کہا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ تو کسی واقف آدمی نے کہا کہ آپ "حمزہ بن عبدالمطلب" ہیں۔ اسے دہشت طاری ہو گئی اور اس نے کپکپاتے ہوئے کہا کہ کیا یہ وہی فوجی ہیں جس نے ہم لوگوں کے خلاف بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں مجھ سے امیہ بن خلف نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ تو حضرت ابن عوفؓ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ یہ صاحب فضل و کمال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ ہیں' تو اس نے بھی اسی طرح کہا کہ یہ وہی ہیں جس نے ہم سب پر بڑے بڑے ستم توڑے ہیں۔

ان سب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو سب سے زیادہ ضد، بغض اور کینہ حضرت سید الشہداء عم رسول کریم حمزہؓ سے تھا۔ اس لئے وہ جب ہی احد میں جنگ کی غرض سے آدھمکے تو انہوں نے سیدنا حضرت حمزہؓ کے خلاف کئی کئی منصوبے اور ارادے تیار کئے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ اس جری جوان کی موجودگی میں ہماری دال ہرگز نہیں گلے گی۔ اس لئے ہر غیر مسلم مشرک نے اپنے اپنے غلاموں کو در غلا کر ان کو سبز باغ دکھائے کہ اگر تم نے عم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کو منقطع کر دیا تو ہم تمہیں آزاد کر دیں گے اور بڑے بڑے انعامات دیں گے۔

چنانچہ وحشی کو بھی اس کے آقا نے یہی کچھ کہا۔ اب احد میں جب گھمسان کا رن پڑا تو تقدیر الٰہی سے حضرت امیر حمزہؓ شہید کر دیے گئے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ جب احد کی لڑائی ختم ہو گئی اور لوگ واپس ہونے لگے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

سب سے پہلے حضرت حمزہؓ کے بارے میں دریافت فرمایا۔ مگر تلاش بسیار کے باوجود آپؓ نہ مل سکے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت فکر ہوئی۔ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں نے ایک درخت کے نیچے حضرت حمزہؓ کو دیکھا تھا۔ وہ زور زور سے کہہ رہے تھے کہ میں اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کا شیر ہوں۔ اے اللہ میں تیری برأت چاہتا ہوں اس سے کہ جس کو ابوسفیان اور اس کی جماعت والے لائے ہیں اور معذرت خواہی کرتا ہوں اس چیز سے جو ان لوگوں نے کیا یعنی مسلمانوں کے شکست کھانے سے۔ یہ باتیں سن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سید الشہداء کی میت کے قریب پہنچ گئے۔ جب اپنے چچا محترم کی پیشانی کو دیکھا تو آپ کے آنسو بہنے لگے اور جب آپ علیہ السلام نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ آپؐ کے عم پاک کا مثلہ بنایا گیا ہے تو سخت رنجیدہ ہوئے۔ پھر فرمایا کہ کوئی کپڑا ہے؟ ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے اور ان پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ پھر حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے یوم میرے چچا سیدنا حضرت حمزہؓ اللہ تعالے کے نزدیک شہیدوں کے سردار ہوں گے۔

ظالم کفار نے یہاں تک ظلم کی انتہا کر دی کہ قریش کے سردار حضرت عبدالمطلب کا بھی لحاظ نہ کیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کے کان، ناک اور اکثر اعضا کاٹ ڈالے اور سینہ چیر کر جگر نکالا اور اسے چبا ڈالا۔ حضرت حمزہؓ کی بہن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت زبیرؓ کی والدہ محترمہ عبدالمطلب کی بیٹی سیدہ بی بی صفیہؓ کو بھی اپنے بھائی کی شہادت اور مثلہ بنائے جانے کا علم ہوا۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ اپنے بھائی کی نعش دیکھنے کے لئے بڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی آ رہی ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو عورت کو روکو۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پہچان لیا تھا کہ یہ میری والدہ محترمہ ہیں۔ میں بھی روکنے کے لئے دوڑا اور روکنا چاہا، مگر میری والدہ صاحبہ بہت قوی تھیں۔ مجھے ایک مکہ رسید کیا اور گھونسہ مار کر دور کر دیا اور فرمایا ہٹ جا۔ مگر میں نے جلدی سے کہا کہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے تو بی بی صاحبہ فوراً کھڑی ہو گئیں۔ اللہ اکبر! یہ ہے صحیح اتباع سنت۔ پھر اپنے بیٹے حضرت زبیرؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا کہ میں صبر سے کام لوں گی۔ مجھے اپنے بھائی کو دیکھنے کی اجازت عطا فرمایئے۔ حضرت زبیرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جا کر اپنی والدہ صاحبہؓ کا یہ پیغام پہنچایا کہ میں سب کچھ جانتی ہوں۔ خدا کی راہ میں میرے واجب الاحترام بھائی کے ناک، کان وغیرہ کاٹ کر ان کا مثلہ بنایا گیا ہے مگر خدا کی راہ میں سب کچھ گوارا ہے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرما دی۔ بی بی صاحبہؓ نے آ کر دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھی اور استغفار کی دعا کی اور فرمایا کہ میں اپنے بھائی کے کفن کے لئے یہ دو کپڑے لائی ہوں۔ ان کپڑوں میں میرے بھائی کو کفنا دینا۔ جب یہ دو کپڑے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کئے گئے تو آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ کے پہلو میں ایک اور انصاری صحابیؓ بھی شہید کئے ہوئے موجود ہیں اور انؓ کا بھی ظالم کفار نے مثلہ کیا ہوا ہے تو بڑا کپڑا اس انصاری شہید کے کفن کے لئے رکھ لیا اور چھوٹے کپڑے میں حضرت سید الشہداءؓ کو کفنایا گیا۔ اس کی صورت یہ تجویز ہوئی کہ سر سے کفن اور پاؤں سے پتے وغیرہ لپیٹے گئے۔ دراصل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عم پاکؓ کی شہادت اور پھر مثلہ بنانے کا اتنا غم تھا کہ آپؐ نے صرف بی بی صفیہؓ کی دلجوئی کے لئے یہ کفن بھی دیا ورنہ آپ علیہ السلام چاہتے تھے کہ حضرت سید الشہداءؓ کو پرندے وغیرہ کھا جائیں۔ جب لوگ قبروں سے باہر نکلیں تو حضرت سید الشہداءؓ پرندوں کے پیٹ سے باہر نکلیں اور اللہ تعالے کی بارگاہ میں اپنی فریاد پیش کریں۔ جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا اور چند عورتیں اپنے اپنے رشتہ داروں کو رونے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے چچا محترم پھر یاد آ گئے اور فرمایا کہ اے میرے چچا تجھے رونے والا بھی کوئی نہیں، تو ان عورتوں نے یہ معلوم کر کے آپ علیہ السلام سے اجازت مانگی کہ ہم حضرت حمزہؓ کے غم میں روتی ہیں، مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا اور فرمایا کہ سب سے پہلے میں اس رسم کو اپنے چچا کی وفات سے منقطع کر رہا ہوں۔ سبحان اللہ۔

حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ ضمریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں ہم چند لوگوں کو حضرت امیر حمزہؓ کا قاتل وحشیؓ جو کہ اب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں مسلمان ہو گیا تھا کو ہم نے کہا کہ ہمیں حضرت سید الشہداءؓ کی شہادت کا واقعہ پوری تفصیل سے سنایئے۔ اس نے کہا میں تم کو بھی بعینہ اسی طرح حقیقت حال کے مطابق یہ واقعہ سناتا ہوں جیسا کہ میں نے خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو سنایا تھا۔ "میں جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ اس کا چچا جنگِ بدر میں مارا گیا تھا اور اس کو یہ گمان تھا کہ اس کا سبب حضرت امیر حمزہؓ ہیں۔ اس لئے اس نے مجھے کہا کہ اگر تم جنگ احد میں حضرت سیدنا امیر حمزہؓ کو شہید کر ڈالو گے تو میں تم کو آزاد کر دوں گا۔ وحشیؓ کہتے ہیں کہ میں نے جب حضرت حمزہؓ کو دیکھا تو میرا گمان بھی نہ تھا کہ میں ایسے شیر آدمی کو شہید کر سکوں گا، مگر میں نے دیکھا کہ آپؓ بہت بہادری کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ میں ایک درخت کی اوٹ میں رہا۔ آپؓ نے ایک بہادر مشرک کو للکارا اور اس پر تلوار سے حملہ کیا، تو اسی حالت

میں میں نے بھی اپنے نیزے کو حرکت دی اور اس کو پھینک دیا تو وہ آپؓ کی ناف کے نیچے جا لگا۔ حضرت نے حوصلہ رکھ کر میری طرف بڑھنا چاہا مگر آپؓ پر بیہوشی طاری ہوگئی۔ اتنے میں میں نے ایک اور نیزہ آپؓ کی طرف پھینکا جس سے آپؓ کی وفات ہوگئی۔ اس کے بعد میرا کام ختم ہوگیا، البتہ میں آپؓ کے پاس آیا اور اپنا نیزہ لے لیا اور لشکر کی طرف چلا گیا۔ بعد میں کفارِ مکہ نے آکر آپؓ کے کان اور ناک وغیرہ کاٹ ڈالے اور دل کو نکال لیا وغیرہ وغیرہ میں جب مکہ آیا تو آزاد کر دیا گیا۔ پھر جب مکہ فتح ہوگیا تو میں طائف بھاگ گیا، مگر طائف میں بھی جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ آیا اور ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تو میرے لئے یہ وسیع زمین تنگ ہوگئی۔ خیال آیا کہ اب شام چلا جاؤں یا یمن وغیرہ۔ خدا کی قسم میں بہت سخت پریشان تھا کہ ایک صاحب نے آکر مجھے کہا کہ تجھ پر بہت افسوس ہے۔ خدا کی قسم جو شخص اسلام قبول کرے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سب جرائم معاف فرما دیتے ہیں۔ وحشی کہتے ہیں کہ جب مجھے یہ بات معلوم ہوئی تو میرا قلب مطمئن ہوگیا۔ میں سیدھا مدینہ طیبہ پہنچا۔ آپ کو کسی چیز نے بھی گھبراہٹ میں نہیں ڈالا مگر یہ کہ میں آپ کے سرہانے کھڑا ہوا کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا اور حق کی گواہی دے رہا تھا۔ جب آپؐ نے مجھ کو دیکھا تو فرمایا، تو وحشی ہے۔ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا بیٹھ اور مجھ کو میرے چچا کی شہادت کا واقعہ سنا۔ میں نے یہ واقعہ اسی طرح سنایا جیسا ابھی ابھی تم کو سنایا ہے۔ میں جب یہ قصہ سنا کر فارغ ہوا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تجھ پر بہت افسوس ہے اس لئے تو مجھ سے اپنا چہرہ غائب رکھ، میں تجھ کو ہرگز ہی نہ دیکھوں گا۔ وحشیؓ کہتے ہیں کہ میں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ ہٹ کر رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو نہ دیکھیں

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دے دی۔ اس کے بعد وحشی واپس مدینہ آگیا اور سیدنا صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ چھڑ گئی تو اسی نیزہ کے ساتھ وحشیؓ نے اسلام کے اس بدترین دشمن کا کام تمام کر کے قدرے خوشی محسوس کی۔ اگرچہ تلوار کا وار ایک اور صاحب نے کیا تھا مگر وحشیؓ کے نیزے نے بھی بہت کچھ کیا۔ بہرحال آخری دور میں حضرت وحشی خوشی کے عالم میں مسیلمہ کذاب کی موت کے باعث کچھ مطمئن ہو گیا تھا کہ اگر اسلام کے سردار کی موت میرے نیزے سے ہوئی ہے تو کفار کے سردار کا بھی میں نے کام ~~نیزے سے ہوئی ہے~~ تمام کر دکھایا ہے۔ حضرت عم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت نے وہ کام کر دکھایا کہ پھر کفار ہمیشہ کے لئے اپنی موت آپ مر گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت ابوالفضل عباس رضی اللہ عنہ

سیدنا حضرت عباسؓ عمر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف دو سال بڑے تھے، مگر جب آپؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے اعظم ہیں (بلحاظ عمر) یا انت اعظم تو جواباً فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعظم منی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اعظم ہیں، ہاں سن کے لحاظ سے میں دو برس پہلے پیدا ہوا ہوں۔ حضرت عبدالمطلب بن ربیعہؓ فرماتے ہیں:

ان العباس دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغضبا وانا عندہٗ فقال ما اغضبک۔ قال یا رسول اللہ مالنا ولقریش اذا تلاقوا بینھم تلاقوا بوجوہٍ مّبشرۃ واذا لقونا بغیر ذالک فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی احمر وجھہ الخ۔۔۔۔ یعنے حضرت عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بہت ناخوش تھے میں بھی اس وقت ان کے ہمراہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ آپ کو کس نے غصہ دلایا ہے؟ فرمایا یا رسول اللہؐ قریش جب باہم ملتے ہیں تو خوشی سے ملتے ہیں، مگر جب مجھے ملتے ہیں تو ان کے چہروں کے آثار اچھے نہیں ہوتے۔ یہ سن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک بھی سرخ ہوگیا۔ پھر فرمایا واللہ کوئی آدمی اس وقت مؤمن مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک دوست نہ رکھے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو۔ پھر فرمایا کہ جس نے میرے چچا محترم کو ایذا دی اس نے مجھے ہی ایذا دی اس لئے کہ چچا والد کے برابر ہوتا ہے۔ یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو بہت برا منایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا محترم کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش نہ آیا جائے۔

اسی طرح آپؓ کے فاضل بیٹے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عم رسول عباس تو اور تیرا بیٹا عبداللہ بن عباسؓ پیر کے دن میرے پاس آئیے۔ میں آپ دونوں باپ بیٹا کے لئے بارگاہ رب العٰلمین میں دعا کروں گا جس سے آپ دونوں کو بہت ہی فائدہ ہوگا۔ پھر اس یوم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو ایک چادر اوڑھائی پھر دعا فرمائی کہ:

"اے اللہ بخش دے عباسؓ کو اور اس کے بیٹےؓ کو بخشش ظاہری اور باطنی کہ نہ چھوڑے کسی گناہ کو اور بچائے رکھے اس کو اس کی اولاد میں اور کر دے خلافت اس کے پیچھے۔"

بہادری اور شجاعت میں بھی آپؓ

اپنے معزز خاندان کے عین موافق بڑے جری تھے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے یوم حضرت حنظلہؓ بن ربیع کو اہل طائف کے پاس بھیجا، مگر طائف والوں نے انہیں اٹھا کر اپنے قلعوں میں داخل کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کون ہے جو ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہو اور اس شخص کے لئے بہت بڑا اجر ہوگا جو ہمارے تمام مجاہدین کے لئے ہے تو سب خاموش تھے مگر حضرت عباس کھڑے ہو گئے اور اپنا آپ کو پیش کر کے اس مہم کو حل کرنے کے لئے چل دیے۔ جب حضرت سیدنا عباس پہنچے تو حضرت حنظلہ بن ربیع کو ان لوگوں سے نجات دلانے کے لئے ان کے ہاتھوں سے چھین لیا۔ ان لوگوں نے بھی بڑی کوشش کی کہ ان دونوں کو پھر قید کر ڈالیں مگر قدرت نے ان کو اس مذموم فعل کی قوت ہی نہ دی تو ان لوگوں نے حضرت عباسؓ پر پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برابر اپنے چچا کی سلامتی کے لئے دعا فرماتے رہے یہاں تک کہ حضرت عباسؓ حضرت حنظلہؓ کو کفار کی قید سے رہا کرا کے آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔

(حیات صحابہؓ)

یہ بات بالکل بجا ہے کہ حضرت عباسؓ فتح مکہ کے موقع پر ہی مسلمان ہوئے ایسے ہوتا ہے کہ دلی طور پر آپ بہت پہلے اسلام کے لئے بہت نرم دل رکھتے تھے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ کو قریش مکہ نے جب بیدردی سے مارنا شروع کیا تو حضرت عباسؓ کا ہی نرم دل تھا کہ اس کو چھڑا لیا۔ اسی طرح حضرت عباسؓ نے اسلام کے لئے شدت کبھی اختیار نہیں کی ہاں فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابو سفیانؓ اور دیگر قریش کو رہائی دلانے والے بھی یہی حضرت عباسؓ ہی ہیں۔

دل اس قدر صاف تھا کہ جب ابو سفیانؓ نے کہا کہ تیرے بھتیجے کی اب بہت بڑی حکومت ہے تو فرمایا کہ ابو سفیان یہ حکومت نہیں نبوت ہے۔ فتح مکہ کے یوم ابو سفیان اسلام کا لشکر جری دیکھ کر بہت متاثر تھا۔ اسی تاثر کے تحت حضرت عباسؓ سے دریافت کیا کہ اے عباسؓ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کا اپنی جماعت کو حکم دیتے ہیں وہ ضرور کر گزرتے ہیں؟ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ یہ ایسی فرمانبردار جماعت ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو کھانے پینے سے بھی روک دیں تو یہ فوراً آپؐ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں۔ پھر حضرت عباسؓ نے حضرت ابو سفیانؓ کو مشورتاً فرمایا کہ تم بھی حضرت نبی کریم سے گفتگو کر کے دیکھ لو مجھے یقین ہے تمہاری معافی بھی ضرور ہو جائے گی۔ تاریخ کی اوراق گردانی کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ پھر صرف ابو سفیان کی معافی ہی نہیں ہوئی بلکہ اعلان ہوا کہ جو ابو سفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے بھی امان ہے (سبحان اللہ) اور اعلان کر دیا گیا لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ آج تم پر کسی قسم کی کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تم سب کی مغفرت کرے اور وہ بہت ہی زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اور فتح مکہ کے بعد حنین میں مسلمانوں کی جو آزمائش آئی وہ سب ہی جانتے ہیں کہ بڑے بڑے لوگوں کے قدم متزلزل ہو گئے، مگر قربان جائیے سیدنا حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کی شجاعت پر کہ آپ نے برابر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھام رکھی اور جب اکثر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو حضرت عباسؓ جو کہ بہت بلند آواز تھے، کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے چچا لوگوں کو ملاؤ۔ حضرت عباسؓ نے بلند آواز سے مہاجرین و انصار کو پکار کر کہا کہ کہاں جا رہے ہو ادھر آؤ۔ آواز کا سننا تھا کہ سب لبیک کہتے ہوئے ایسے پلٹے کہ اپنے زخموں سے بھی بے فکر ہو گئے۔ ادھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے کچھ مٹی اور کنکریاں اٹھا کر کفار کی طرف پھینکیں اور شاھت الوجوہ شاھت الوجوہ فرماتے رہے تو تھوڑی دیر میں لڑائی کا رخ ایسا پلٹ گیا کہ کفار بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہرحال حضرت سیدنا عباسؓ نے بقیہ زندگی اسلام کی سربلندی کے لئے وقف کر رکھی تھی جن کی تفصیل تاریخی کتب میں منقول ہے، مگر ہم صرف مونہ کے طور پر ہر صحابیؓ رسولؐ کے چند متفرق کارنامے ہی لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ بہرحال عم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ جمعہ کے یوم ۳۲ھ میں بعمر ۸۸ برس اپنے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

بقیہ: اسلامی نظام ...... ہے

پھینک دینے کے جس واقعہ کا ذکر کیا ہے وہ آئین میں من مانی ترامیم پر احتجاج کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا تھا۔ اس کے علاوہ سابق حکومت کی طرف سے آئین میں یک طرفہ ترامیم پر اسمبلی کے اندر اور باہر مفتی صاحب اور حزب اختلاف کے دوسرے ارکان کے مسلسل احتجاج کی داستان ساری قوم کو معلوم ہے اور میاں جعفر شاہ صاحب سے ادب کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

خط و کتابت کرتے وقت
خریداری نمبر
کا حوالہ ضرور دیں۔
محمد سلیم قریشی

مولانا محمد اسحٰق صدیقی

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح

دین اسلام کے بقائے دوام کا ایک انتظام من جانب یہ ہے کہ ہر صدی میں کوئی مجدد پیدا کیا جاتا ہے جو امت کی غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے۔ سیدی و مرشدی حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ بھی اپنے دور کے مجدد کبیر تھے۔ دارالعلوم دیوبند ان پر فخر کرتا ہے تو اس کا فخر بالکل بجا اور صحیح ہے، کیونکہ حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ نے علوم دینیہ کی کتابیں زیادہ تر اسی دارالعلوم میں پڑھی تھیں۔ حضرت قدس سرہٗ ۵ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ کو پیدا ہوئے۔ ۱۳۰۱ھ میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد کچھ مدت تک مدرسہ فیض عام کانپور میں درس دیتے رہے پھر "جامع العلوم" کے نام سے کانپور میں یک مدرسہ عربیہ خود قائم فرمایا اور وہاں درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ تقریباً دس سال اس خدمت علم دین میں مصروف رہنے کے بعد اپنے شیخ و مرشد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کے ایما پر اپنے وطن تھانہ بھون پہنچ کر خانقاہ امدادیہ میں جلوہ افروز اور مصروف افادہ ہو گئے۔ یہ خانقاہ کوئی مدرسہ نہ تھا۔ اس لئے درس کا سلسلہ تو تقریباً بند ہو گیا، مگر تصنیف و تالیف اور طالبین و سالکین کی اصلاح و تربیت باطن کا کام زیادہ قوت کے ساتھ جاری ہو گیا۔

پھر تو یہ کیفیت ہوئی کہ اس چشمہ رشد و ہدایت کے فیوض و برکات مشرق سے مغرب تک ایک عالم کو سیراب کرنے لگے اور بلا مبالغہ کروڑوں تشنہ لبوں نے قرآن و حدیث کے اس آب حیات سے جو حکیم الامت اور مجدد الملت کے ہاتھوں سے تقسیم ہو رہا تھا، سیراب ہو کر حیات تازہ پائی۔

تجدید و احیاء دین

دین اسلام دائمی اور ابدی ہے یہ قیامت تک باقی رہے گا اور تا قیام قیامت اس کے سوا کوئی دین اللہ تعالےٰ کی طرف سے نہ آئے گا۔ اس کی بقا کے لئے اللہ تعالےٰ نے جو انتظامات فرمائے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جب امتداد زمانہ اور مخالفین اسلام کی ناپاک کوششوں اور تدبیروں کی وجہ سے امت میں دین کی طرف سے غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور اسلام کے بعض شعبے رائج نہ رہنے کی وجہ سے عام نظروں سے مخفی ہو جاتے ہیں یا ان کے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو اللہ تعالےٰ اپنے بعض مقبول بندوں سے امت کی اس غفلت و جہالت کو دور کرنے اور دین کے مخفی شعبوں کو ظاہر اور متعارف کرنے کا کام لیتے ہیں انہیں بزرگان دین کو اصطلاحاً **مجدد** کہا جاتا ہے۔

امت میں مجددین بکثرت ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ ہمارے حضرت حکیم الامۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب فاروقی نور اللہ مرقدہٗ بھی مجددین امت میں ایک امتیازی شان رکھنے والے مجدد تھے۔

حضرت قدس سرہٗ کی اس تجدیدی شان کا ظہور مختلف شکلوں میں ہوا۔ انہیں کا مختصر تعارف کرانا اس مضمون کا مقصود ہے۔

اسلام کی جامعیت کا اظہار و احیاء

صدیوں سے غیر اسلامی تہذیب و تمدن کے رواج، غیر مسلموں اور گمراہوں کے ساتھ میل جول اور مخالفین اسلام کے ابلاغ عامہ کے اثر سے اچھے اچھے علماء و صلحاء کے ذہنوں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ وہ اسلام کا دائرہ عقائد و عبادات تک محدود سمجھنے لگے تھے گویا اخلاق، معاشرت، معاملات ان سب چیزوں کا تعلق اسلام سے انہوں نے عملاً منقطع کر رکھا تھا۔ اس قسم کے

نمونے آج بھی آپ کو بکثرت مل سکتے ہیں۔ بہت سے تہجد گزار اور ذاکر و شاغل آپ کو ایسے بھی ملیں گے جو معاشرتی زندگی میں جاہلی رسوم کے پابند اور اسلامی احکام سے غافل ہوں گے۔ اسی طرح اخلاق کے بارے میں خوبی سے تہی دست افراد آپ کو جس طرح کوٹ پتلون میں ملیں گے۔ اسی طرح خاصی تعداد میں جبہ و دستار یا کلاہ و خرقہ دربر حضرات بھی ملیں گے۔ معاملات کا تو پوچھنا ہی کیا ہے خوش معاملہ آدمی مل جائے تو اپنی خوش نصیبی سمجھئے اور اس گوگرد احمر کی دستیابی پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیجئے۔ یہ حالات آج سے نہیں صدیوں سے پائے جاتے ہیں۔ اگر ایسے حالات نہ ہوتے اور ہماری قوم ان امراض میں نہ مبتلا ہوتی تو آج یہ دن نہ دیکھتی اور ادبار و زوال کی مصیبت و ذلت میں نہ مبتلا ہوتی۔

امت کے اخلاق، معاملات اور اس کی معاشرت میں فساد عمل سے شروع ہوا مگر رفتہ رفتہ فکر و عقیدے تک پہنچ گیا۔ حضرت حکیم الامۃ نے جب اس مسئلہ کی طرف توجہ فرمائی ہے تو حالت یہ تھی کہ اچھے اچھے صاحب مدارس، اہل علم اور صاحب خانقاہ مشائخ بھی دین کا ایک محدود تصور رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دین صرف اعتقادات اور عبادات کا نام ہے۔ اخلاق، معاشرت، معاملات یعنی زندگی کے باقی شعبوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ خیال باطل فساد کی بنیاد تھا۔ حضرت حکیم الامۃ نے اسی بنیاد پر کاری ضرب لگا کر اسے منہدم فرما دیا۔ اپنے وعظ تفصیل الدین میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"غور سے سن لیجئے کہ دین (شریعت) کے پانچ اجزاء ہیں۔ ایک جزو تو عقائد کا ہے کہ دل اور زبان سے یہ اقرار کرنا کہ اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی جس طور خبر دی ہے وہی حق ہے۔ ان کی تفصیل کتب عقائد سے ہوگی۔

دوسرا جزو عبادات ہیں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔

تیسرا جزو معاملات ہیں یعنی احکام نکاح و طلاق، خرید و فروخت و اجارہ زراعت وغیرہ اور ان کے جزو دین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت یہ سکھاتی ہے کہ کھیتی یوں بویا کرو اور تجارت فلاں فلاں چیز کی کرو، بلکہ ان میں شریعت یہ بتاتی ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرو، زیادتی نہ کرو اور اس طرح معاملہ نہ کرو جس میں نزاع اور جھگڑے کا اندیشہ ہو۔ غرض جواز و عدم جواز کا بیان کیا جاتا ہے۔

چوتھا جزو معاشرت ہے یعنی اٹھنا بیٹھنا، مہمان بننا، کسی کے گھر جانا کیونکر چاہیئے اور اس کے آداب کیا ہیں۔ بیوی، بچوں، عزیزوں، اجنبیوں اور نوکروں وغیرہ کے ساتھ کیونکر برتاؤ کرنا چاہیئے۔

پانچواں جز تصوف ہے جس کو شریعت میں اصلاح نفس کہتے ہیں۔ آج کل لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تصوف کے لئے بیوی بچوں کو چھوڑنا پڑتا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ یہ جاہل صوفیوں کا مسئلہ ہے جو تصوف کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ غرض دین کے یہ پانچ اجزاء ہیں۔ ان پانچوں کے مجموعے کا نام دین ہے اگر کسی میں ایک بھی جزو ان میں سے کم ہو تو وہ ناقص دین ہے جیسے کسی کے ایک ہاتھ نہ ہو تو وہ ناقص الخلقت ہے۔"

حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں دین کی اس جامعیت پر بہت زیادہ زور دیا جاتا تھا جیسا کہ آں محترم کی تصانیف و تالیفات سے روشن ہے۔

حضرت نور اللہ مرقدہٗ ذکر و شغل سے زیادہ اصلاح اخلاق، حسن معاشرت اور صفائی معاملات پر زور دیتے تھے۔ تصوف کو جزو شریعت ظاہر فرما کر حضرتؒ نے ایک بہت الجھے ہوئے اور اہم مسئلہ کو سلجھا دیا۔ جس سے دو گمراہیوں کے بادل چھٹ گئے۔ ایک گروہ حقیقت تصوف سے بے خبری اور ناواقفیت کی وجہ سے اسے اجنبی عنصر اور بدعت کہتا تھا، دوسرا گروہ بھی اس بے خبری کی وجہ سے اسے مقصود بالذات اور شریعت کے متوازی رضائے الٰہی کا ایک مستقل راستہ کہتا تھا۔

حضرت قدس سرہ کے منقولہ بالا قول نے دونوں کی اصلاح فرما دی۔ ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ وصول الی اللہ تعالےٰ کا راستہ صرف اور صرف شریعت ہے۔ اس کے بعد کوئی راستہ اس مقصد تک نہیں پہنچا سکتا تصوف شریعت کے متوازی کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے جو اس مقصد تک پہنچاتا ہو بلکہ وہ اپنے جوہر کے اعتبار سے شریعت کا ایک جزو ہے۔ اس سے باہر اور اس کے علاوہ کوئی شے نہیں۔

دین کی یہ جامعیت اور زندگی کے ہر شعبہ پر اس کا حاوی ہونا ایسی حقیقت ہے جو ایک مدت دراز سے امت کی نظروں سے مخفی ہو گئی تھی۔ حضرتؒ کا یہ عظیم اور مجددانہ کارنامہ ہے کہ موصوف نے اس حقیقت کا اظہار کر کے اور یہ بھولا ہوا سبق یاد دلا کے ہر شعبۂ زندگی میں سنت کا احیاء فرمایا بلکہ فرائض کو یاد دلا کر ان کی ترویج فرمائی۔

اصلاح وتجدید

تصوف وسلوک

تصوف وسلوک کی اصلاح حضرتؒ

کی بہت اہم اور تجدیدی خدمت دین ہے۔

تصوف کو مدت دراز سے ایک راز سمجھا جاتا تھا جو صرف سینہ بسینہ منتقل ہو سکتا تھا۔ حضرت حکیم الامۃ نے ایک اہم تجدید یہ فرمائی کہ اسے ایک باقاعدہ فن کی حیثیت سے مدوّن اور روشناس فرمایا۔

دوسری عظیم اصلاح یہ فرمائی کہ اس میں صوفیا و غیر محققین کی غلطیوں کی وجہ سے جو باطنیہ وغیرہ کے غیر اسلامی افکار و اعمال داخل ہو گئے تھے ان سے تصوف کو بالکل پاک کر دیا اور اس حقیقت کو منکشف فرمایا کہ تصوف و سلوک شریعت ہی کا ایک جزو ہے اور کتاب و سنت میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے جس طرح نماز روزے کے احکام کسی ایسی چیز کو اس کا جزو سمجھنا جو خلاف شریعت ہو یا جس کا ثبوت کتاب و سنت سے نہ ہو سخت غلطی ہے۔ حضرتؒ نے اس مسئلہ کو اپنی تالیفات مثلاً تعلیم الدین التکشف وغیرہ نیز مواعظ میں بہت وضاحت اور تکرار کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ حضرتؒ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ احکام شریعت کا تعین جس طرح انسان کے ظاہر سے ہے اسی طرح اس کے باطن سے بھی ہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف میں جس طرح بعض ظاہری اعمال مثلاً سود خوری، دروغ گوئی وغیرہ سے منع فرمایا گیا ہے، اسی طرح بعض باطنی اعمال مثلاً عقائد صحیحہ صبر و شکر کا بھی حکم دیا گیا ہے اسی طرح بعض باطنی اعمال مثلاً عقائد باطلہ، حرص، کبر وغیرہ سے منع بھی فرمایا گیا ہے۔

شریعت کا جو حصہ ان اعمال باطنہ کے احکام پر مشتمل ہے، تصوف کہلاتا ہے۔ وہ بھی فقہ کا ایک جزو ہے۔ گویا وہ فقہ باطنی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

"شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فقہ کے ساتھ ایک دوسرے فقہ یعنی شریعت کے معنی کا بھی اعتبار ہے۔ اس معنوی فقہ کو تصوف کہتے ہیں۔ تصوف کو علیحدہ لکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقہ سے خارج ہو جائے۔ یہ علیحدگی ایسی ہے جیسے مشہور فقہ میں کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ الگ الگ ہیں، اسی طرح کتاب التصوف بھی فقہ ہے"

(تصوف و سلوک)

اس کی ایک واضح اور قوی دلیل یہاں بیان فرماتے ہیں کہ:

"جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں، اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم خداوندی ہیں۔ کیا اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ امر کا صیغہ ہے واصبروا واشکروا امر کا صیغہ نہیں ہے؟"

اس حقیقت واقعہ کو جو مدت سے مستور ہو گئی تھی، ظاہر کر دینے کے بعد کہ تصوف جزو شریعت اور تعلیم کتاب و سنت ہے اس میں باطنیہ اور جوگیوں وغیرہ کے غیر اسلامی افکار و اعمال کی کیا گنجائش رہ سکتی ہے؟ حضرتؒ نے حقیقت تصوف کا اظہار فرما کر سینکڑوں گمراہیوں کو نیست و نابود کر دیا۔ بلاشبہ حضرتؒ کا یہ تجدیدی کارنامہ اتنا عظیم الشان ہے جس کی قدر و قیمت کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔

تسہیل سلوک

تصوف و سلوک میں حضرت قدس سرہ نے تیسری عظیم الشان اصلاح یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کو سہل اور آسان بنا دیا۔ یہ بات صدیوں سے مشہور تھی کہ راہ سلوک میں قدم رکھنا کسی خارزار میں برہنہ پا چلنے کے ہم معنی ہے۔ جب تک آدمی اپنے اہل و عیال اور مال و منال ہر چیز سے بالکل دستبردار نہ ہو جائے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے راستہ پر ایک قدم نہیں چل سکتا۔ ہمارے حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ نے ان غلط خیالات کی تردید فرمائی اور قولاً و عملاً ہر طرح یہ حقیقت ظاہر فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ آسان ہے۔ اس کے لئے اہل و عیال اور مال و منال سے دستبردار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ کلی دستبرداری جائز بھی نہیں، البتہ ان کے ساتھ تعلق کو تعلق مع اللہ کے تابع اور اس سے مغلوب کر دینے کی حاجت ہے۔ پھر یہ تعلقات اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو جاتے ہیں اور رضاء الٰہی کے راستہ میں رکاوٹ بننے کے بجائے اسے سہل اور صاف بنا کر سالک کے معاون اور سلوک میں رہنما بن جاتے ہیں۔ حضرت کا قول یہ تھا کہ جس

جس طرح گدڑی میں
سلوک طے ہو سکتا ہے
اور درجہ ولایت
حاصل ہو سکتا ہے
اسی طرح دوشالہ
اوڑھ کر بھی یہ راستہ
طے ہو سکتا ہے۔

طرح گدڑی میں سلوک طے ہو سکتا ہے اور درجہ ولایت حاصل ہو سکتا ہے اسی طرح دوشالہ اوڑھ کر بھی یہ راستہ طے ہو سکتا ہے۔

ولایت کا جو درجہ ایک گدائے بے نوا کو حاصل ہو سکتا ہے وہی ایک بادشاہ

کو بھی مل سکتا ہے جو فقر درویشی مقصود ہے اس کے لئے شدائد برداشت کرنا ضروری نہیں۔ پھر یہ کہ حضرت قدس سرہٗ کسی کو بھی ذکر و شغل وغیرہ اعمال سلوک کی ایسی تعلیم نہیں دیتے تھے جو اس کی قوت برداشت سے باہر ہو یا اس کے مشاغل ضروریہ میں خلل انداز ہو، بلکہ اصول یہ تھا کہ ہر معمول اس کا شوق ختم ہونے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔

مثلاً ذکر ایسے وقت پر ختم کر دیا جائے کہ کچھ قوت تحمل اور شوق باقی رہے اس حد تک وظیفہ میں مشغول نہ رہے کہ اکتا جائے یا صحت جواب دیدے۔

مقصود و غیر مقصود کی تفریق

تصوف اور سلوک کے متعلق جو غلط افکار و تصورات پھیلے ہوئے تھے ان میں یہ خیال خطرناک اور ضرر رساں ہونے میں ایک امتیاز رکھتا تھا کہ سلوک سے یہ مقصود کیفیات باطنیہ کا حصول ہے۔ سالک کو ذکر و شغل سے کیفیت مطلوبہ نہیں حاصل ہوتی تھی یا حاصل ہوتی تھی مگر زائل ہو جاتی تھی تو وہ وصول سے مایوس ہو جاتا تھا اور جب حال مطلوب حاصل ہو جاتا تھا تو خود کو کامل سمجھنے لگتا تھا۔ دونوں صورتیں سالک کے لئے مضر بلکہ ہلاکت باطنی ہیں۔

حضرت قدس سرہٗ نے اس مغالطہ عظیمہ کو دور فرمایا۔ حضرتؒ کا ارشاد ہے:

"سالک کو کسی چیز کی خواہش نہ چاہیے کوئی ذوق و شوق کا متمنی ہے، کوئی رقت قلب کی خواہش کرتا ہے، کسی کو کشف و کرامت کی تمنا ہے کوئی جنت کو مقصود سمجھ کر اس کا طالب ہے حالانکہ کسی چیز کی طلب و ہوس نہ کرنا چاہیئے۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:-

"ثمرۂ اصلی ذکر و شغل کا قرب و رضائے حق ہے۔ واردات غیبیہ یا ذوق و شوق ثمرۂ اصلی نہیں بلکہ یہ بھی محض ایک ذریعہ ہے تربیت کا اور وہ بھی بعض کے لئے غیبی طور پر اور دوسرا طریقہ تربیت کا صرف ہمت سے کام لینا ہے، بلا مواجید کے"

(بصائر حکیم الامۃ ص۵۷۱)

عقائد کی اہمیت:

صحبت اغیار و منافقین کے اثر اور بعض فروع میں حد سے زیادہ مشغولیت کی وجہ سے صدیوں سے امت مسلمہ اس فتنہ عظیمہ میں مبتلا ہے کہ عقائد کی اہمیت اس کی نگاہ سے مخفی ہو گئی ہے۔ کچھ مدت پہلے کیفیت یہ تھی کہ بعض بڑے جید علماء جو شرعی مسائل میں بحر زخار معلوم ہوتے تھے عقائد کے بارے میں عوام کی سطح پر نظر آتے تھے۔ خصوصاً گروہ صوفیا میں تو اس قسم کے افراد کی کثرت تھی جو ایک طرف بڑے اونچے مقامات کی باتیں کرتے تھے اور دوسری طرف مبتدعانہ بلکہ مشرکانہ عقیدے رکھتے تھے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اس فتنہ عظیمہ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور مجددانہ انداز میں اس فساد عظیم کی اصلاح فرمائی۔ عقائد کی اہمیت اور ان کی بنیادی حیثیت کو اجاگر کیا اور غافلوں کو فساد عقیدہ کے خطرناک اور مہلک مرض سے آگاہ کر کے ہوش میں لانے کی کوشش فرمائی۔

ایک ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"فرمایا کہ دین صرف چند ظاہری اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا نام نہیں ہے بلکہ سب سے بڑھ کر عقائد کا درجہ ہے جس پر نجات کا دار و مدار ہے اور ایک درجہ اخلاق حمیدہ مثلاً اخلاص، صبر و شکر اور تواضع وغیرہ کا ہے وہ بھی محققین کے نزدیک نماز، روزہ ہی کی طرح فرض ہے۔ اگر کوئی چند اعمال ظاہری کو پورا کرے مگر نہ عقائد ٹھیک ہوں اور نہ اخلاق درست ہوں تو ایسی صورت میں اس کو پورا مسلمان نہ کہا جائے گا۔"

(انفاس عیسیٰ)

یہ ملفوظ ایک نمونہ ہے ورنہ حضرت رحمہ اللہ کے تصانیف میں یہ مضمون بکثرت و تکرار ملتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حضرت نے صحیح عقائد جمع فرما کر ان کی اشاعت فرمائی۔ الانتباہات المفیدہ، تعلیم الدین، بہشتی زیور وغیرہ حضرت کی کتابیں اس کی گواہ ہیں۔ مغربی افکار کے سیلاب کی وجہ سے جو فاسد عقیدے مسلمانوں میں آ گئے تھے ان کی اصلاح اور جدید مغالطوں کے ازالے کی طرف بھی حضرتؒ نے خاص توجہ فرمائی۔ "الانتباہات المفیدہ" اسی سلسلہ کی تصنیف ہے۔

کشفیات میں غلو کی اصلاح

علم کا ایک ذریعہ کشف بھی ہے، لیکن اس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ یقینی نہیں ہوتا بلکہ ظنی ہوتا ہے۔ صاحب کشف صوفیاء کرام کو جو علوم اس ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں اگر ان کا تعلق روحانیت سے ہو تو اصطلاحاً انہیں حقائق و معارف کہتے ہیں۔

ان کے متعلق بعض لوگ تو اس قدر غلو میں مبتلا ہوئے کہ انہیں شریعت مقدسہ پر ترجیح دینے لگے۔ بعض اس حد تک تو نہ گئے مگر اتنے غلو میں مبتلا ہو گئے کہ ان معارف و حقائق کی صحت و صداقت ثابت

کرنے کے لئے قرآن و حدیث میں تاویلیں کرنے لگے۔ یہ ضلال پہلے ضلال سے کم ضرور تھا مگر پھر بھی ضلال ہی تھا۔ مجدد کبیر حکیم الامۃ رہ نے اس زیغ و ضلال کی بالکل بیخ کنی فرما دی۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

"معارف و حقائق میں ہر شخص کا جداگانہ مذاق ہے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حقائق و معارف وہ مقبول ہیں جن کو شریعت رد نہ کرے سلیمان دارانی کا قول منقول ہے کہ اکثر میرے دل میں کوئی نکتہ اسرار صوفیہ میں سے آتا ہے مگر میں اس کو بلا دو عادل گواہوں کے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں قبول نہیں کرتا۔" "ابو خداد کا قول ہے: جو باطن ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل اور مردود ہے۔" (البصائر ص ۲۲۲)

"کشفیات میں سے بعض میں ایک دوسری نوعیت کا غلو کرتے ہیں۔ یہ لوگ علوم کشفیہ کو قرآن مجید اور حدیث شریف میں تلاش کرتے ہیں اور اس کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح انہیں آیات و احادیث کے معانی میں سمو دیا جائے۔"

معارف و حقائق یعنی کشفی علوم کا تذکرہ فرماتے ہوئے اسی ذیل میں حضرت قدس سرہ اس غلطی کی اصلاح اس طرح فرماتے ہیں:

"اور ان علوم کی دلیل محض کشف ہے اور قرآن و حدیث کے اندر ان مسائل کا داخل کرنا تکلف سے خالی نہیں۔" (البصائر ص ۲۲۳)

اس مجددانہ اصلاح نے تصوف سے مغلوب اور ان کی کورانہ تقلید کرنے والے لاکھوں افراد کو زیغ و ضلال سے نجات دی اور آئندہ کے لئے اس کی حفاظت کا انتظام کر دیا۔ امت کی ایک بڑی تعداد کی بے راہ روی اور کج فہمی کا سبب یہی غلط روی ہی ہے کہ انہوں نے اصطلاحی معارف و حقائق یعنی کشفیات والہامات کو کتاب و سنت پر ترجیح دی اور اس کے لئے آیات و احادیث کی دور از کار تاویلیں کیں، یا قرآن و حدیث میں ان کی جستجو کی جس کے لئے ان میں تحریف معنوی کا ارتکاب کیا۔

ان دونوں میں سے جو صورت بھی اختیار کی جائے اس کے لئے گمراہی اور ضلال کے سوا اور کوئی لقب نہیں تجویز کیا جا سکتا۔

جو باطن ظاہر کے
خلاف ہو وہ باطل
اور مردود ہے۔

حضرت کی جامعیت اور کثرتِ تصانیف

اس حقیقت ثابتہ کا اظہار جو مدت دراز سے مخفی ہو گئی تھی یعنی دین اسلام کی جامعیت کی یاد دہانی جسے عوام تو عوام خواص بھی بھول چکے تھے حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا بہت عظیم مجددانہ کارنامہ ہے۔ اس کارنامے کو انجام دینے کے لئے ایسی ہی شخصیت مناسب تھی جو علوم دینیہ کی جامع ہو جس کا علم عمیق، جس کی نگاہ دقیقہ رس اور جس کی ذہانت و فطانت اور سلامت فہم اعلیٰ درجہ کی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت قدس سرہٗ کو ان سب صفات عالیہ اور اوصاف حمیدہ سے متصف فرمایا تھا۔ فطری ذہانت و فطانت اور سلامت فہم کے ساتھ علوم دینیہ میں جیسی جامعیت حضرت موصوف میں تھی وہ اپنے زمانہ میں آپ ہی اپنی نظیر تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ نیز علوم آلیہ و تابعہ متداولہ میں ہر ایک میں حضرت اقدس سرہٗ کامل دستگاہ اور اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے اور یہ قابلیت و استعداد کتابی نہ تھی بلکہ علمی و فنی تھی۔ یہ چیز بھی نوادر میں داخل ہے۔ کتابی استعداد رکھنے والے تو بہت ملیں گے، اگر کسی علم و فن میں اس علم و فن کا ذوق اعلیٰ درجہ استعداد رکھنے والے شاذ و نادر بلکہ النادر کالمعدوم ہیں۔ جامعیت کے ساتھ یہ کمال مجھے صرف حضرت قدس سرہٗ میں نظر آیا۔ جہاں تک تصوف و سلوک کا تعلق ہے حضرت مجدد ملت قدس سرہٗ امام مجتہد تھے اور حضرت کی شان تجدید و امامت سب سے زیادہ اسی علم میں نمایاں اور روشن ہے۔ منجملہ دیگر کرامات کے اللہ تعالیٰ نے قدس سرہٗ کو وقت اور علم میں برکت کی کرامت سے بھی نوازا تھا۔ یہ کرامت اس قدر نمایاں ہے کہ کوئی مخالف بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ آں محترم کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد آٹھ سو سے متجاوز ہے جس میں بیان القرآن کی ایسی ضخیم کتابیں بھی خاصی بڑی تعداد میں ہیں۔ شاگردوں کی تعداد سینکڑوں سے اور مریدین کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ تصانیف کی اس کثرت کی نظیر شاذ و نادر ہی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت قدس سرہٗ کے فیوض کو جو وسعت عطا فرمائی ہے وہ آں محترم کے مجدد عظیم ہونے کی ایک علامت ہے۔ قدس اللہ سرہٗ و اعلیٰ درجاتہٗ و نور اللہ مرقدہٗ۔

سید عطاء الرحمٰن جعفری

پاکیزگی اور صحت

روح کی پاکیزگی کا اثر جسم کی پاکیزگی اور صحت پر بھی پڑتا ہے

اگر ہم تعلیمات اسلامی پر ایک غائر اور گہری نگاہ ڈالیں اور اسلامی عبادات پر غور کریں تو ہمیں ایک بہت واضح چیز جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام پاکیزگی، طہارت اور صفائی کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور اس کی بڑی تاکید کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک خصوصیت جس میں وہ بالکل یکتا اور منفرد ہیں کہ جس ملک میں وہ پہنچے، جس خطۂ ارض پر انہوں نے اپنا پرچم کشورکشائی لہرایا، جس سرزمین کو اپنے قدم سے سعادت بخشی وہاں سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسے گل و گلزار بنا دیا۔ اپنی رعایا کی فلاح و آسائش اور صحت و توانائی کے لئے انہوں نے تمام وسائل صرف کر دیئے اور اسے ایک نئی زندگی سے آشنا کر دیا۔ بے شک مسلمانوں نے علم بھی پھیلایا، تہذیب و تمدن کو بھی رواج دیا۔ اصلاح معاشرہ کے فرائض بھی حسن و خوبی کے ساتھ سرانجام دیے۔ تخلیق و تعمیر کی نعمتوں سے بھی مالامال کیا۔ بہت کچھ کیا۔ بہت کچھ کیا، لیکن ان تمام کارناموں سے بالا و بلند مسلمانوں کا یہ عظیم و جلیل کارنامہ ہے کہ انہوں نے اپنے زیرنگیں علاقوں میں اور ملکوں میں صفائی پاکیزگی اور صحت و تندرستی کا ایسا اہتمام کیا کہ وہاں کی کایا پلٹ گئی۔ تاریخ کے اوراق مسلمانوں کے ان کارناموں سے مزین ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو بالکل صحیح ہوگا اور بجا کہ پاکیزگی اور صفائی کے تخیل سے اہل دنیا ناواقف تھے۔ اسلام نے دنیا کو یہ سبق دیا۔ قرآن مجید و فرقان حمید پاکیزگی اور صفائی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت یہ قانونِ خدا ہے کہ مومن صاف ستھرا، پاکیزہ اور مطہر رہے۔ اس بات کو قرآن نے یہ کہہ کر بالکل واضح کر دیا کہ:

"خدا پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے"

(التوبہ ۱۰۸)

قرآن حکیم میں ایک طرف حکم ہے کہ پاکی حاصل کرو، اور دوسری طرف یہ مژدہ ہے کہ خدا پاک و صاف لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے حکم خداوندی بہرحال واجب التعمیل ہے۔ وہ اس سے ہرگز روگردانی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ پاکیزگی اور صفائی ان کی زندگی کا جزو بن گئی اور ان کی فتح و نصرت اور ان کی کامیابیوں اور کامرانیوں کی وجہ بنی۔ اولین احکام جو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے ان میں ایک حکم یہ تھا

"(اے نبی) اپنے کپڑے پاک رکھو
اور گندگی سے بچو" المدثر ۴

صفائی اور پاکیزگی کا پیغام حضور علیہ السلام نے پوری امت بلکہ پوری انسانیت تک پہنچا دیا اور ارشاد فرمایا:

"پاکیزگی نصف ایمان ہے"

اسلام میں پاکیزگی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک روح کی پاکیزگی جس کا مطلب ہے کہ انسان اپنے آپ کو تمام برائیوں سے پاک رکھے۔ روح کی ناپاکیاں وہ بداخلاقیاں اور برائیاں ہیں جن کے اختیار کرنے سے انسان کی روح گندی اور میلی ہوتی ہے۔ روح کی پاکیزگی کا طریقہ یہ ہے کہ انسان ہر برائی اور گناہ سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو اچھی عادتوں اور اچھے اخلاق سے سنوارے۔ جس قدر بھی انسان گناہوں اور برائیوں سے بچے گا اسی قدر اس کی روح پاک صاف اور ستھری ہوتی چلی جائے گی۔ روح کی پاکیزگی کا اثر جسم کی پاکیزگی پر بھی پڑتا ہے۔

دوسری پاکیزگی جسم کی پاکیزگی ہے۔ جسم کی پاکیزگی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو جسم کی ظاہری ناپاکیوں سے پاک و صاف رکھے۔ گندا اور میلا نہ ہونے دیں مثلاً غسل کو ہی لیجئے۔ صحت مندی، تازگی اور صفائی کے تقاضے یہ ہیں کہ انسان روزانہ غسل کرے اور اگر پانی کی قلت یا کسی دوسری وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو ہفتہ میں ایک روز یعنی جمعہ کے روز اس کا اہتمام ضروری ہے۔ پھر اسلام نے ہمیں یہ درس بھی دیا کہ ہم دانتوں کو صاف کرنے کے لئے پابندی سے مسواک کریں۔ کیونکہ پیٹ کی بیسیوں بیماریاں دانتوں کی میل کچیل سے پیدا ہوتی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر مجھے امت کی تکلیف
کا خیال نہ ہوتا تو میں مسواک
کرنا ہر مومن پر فرض قرار دیتا"

انسان کا لباس بھی جسم کی پاکیزگی اور صفائی ستھرائی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اسلام اگرچہ لباس میں شان و شکوہ، اسراف بے جا اور تکلف کو پسند نہیں کرتا، لیکن لباس میں صفائی ستھرائی اور پاکیزگی کا مطالبہ ضرور کرتا ہے۔ ظاہری شکل و صورت کو بھی قرینے سے رکھنے کی اسلام تاکید کرتا ہے، کیونکہ یہ بات بھی پاکیزگی اور صفائی کے ضمن میں آتی ہے۔ اسلام اس کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی آدمی اپنی شکل وحشیوں کی طرح بنائے ہوئے، میلا کچیلا بدن رکھے۔ بے تکے بال بڑھائے ہوئے پھرے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خدا تعالیٰ کبھی میلا کچیلا بدن اور بکھرے ہوئے بال پسند نہیں کرتا۔"

ناخنوں کے ذریعہ سے بھی بہت سی غلاظت کھانے کے ساتھ پیٹ کے اندر جا کر بہت سی معدے کی بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ اور ویسے بھی وحشیوں کی طرح ناخن بڑھائے ہوئے آدمی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دس چیزوں کو پیغمبر کی سنت قرار دیا ہے ان میں سے ایک ناخنوں کا تراشنا بھی ہے۔ جسم اور روح کی پاکیزگی کے ساتھ اسلام ماحول کی پاکیزگی کا بھی مطالبہ کرتا ہے جس میں انسان رہتا ہے۔ مثلاً جس گھر میں وہ رہتا ہے اسے صاف ستھرا رکھے اور ہر اس چیز سے پرہیز کرے کہ جسے دیکھ کر دوسروں کو کراہت آتی ہو، مثلاً بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ گھر کا کوڑا کرکٹ صاف کر کے اپنے دروازے کے سامنے سڑک پر یا گلی میں ڈال دیتے ہیں۔ اس سے ایک تو خود گھر والوں کا پھوہڑ پن ظاہر ہوتا ہے دوسرے راہ چلنے والوں کو ان کے عمل سے تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح راستوں میں تھوکنا۔ بار بار ناک میں انگلیاں ڈال کر میل نکالنا۔ سایہ دار درختوں کے نیچے گزرگاہوں میں پیشاب کرنا۔ یہ سب چیزیں صاف ستھرے ماحول کو متاثر کرتی ہیں۔ اسلام ان سب باتوں کو طہارت اور تہذیب کے خلاف قرار دیتا ہے۔

کون ہے جسے اپنی زندگی عزیز نہ ہو، جو صحت و تندرستی کا جویا نہ ہو، جو طویل عمر کا متمنی نہ ہو، جس کے نہاں خانۂ قلب میں یہ آرزو نہ ہو کہ جب تک زندہ رہے کسی پر بار نہ بنے۔ ہاتھ پاؤں کام آتے رہیں۔ دماغ۔ آنکھ اور زبان سلامت رہے۔ یہ سب کی آرزو ہے، لیکن کام صرف آرزوؤں سے بنا نہیں کرتے۔ اس کو بروئے کار لانے کے لئے یقین محکم و عمل پیہم کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ برف کو انگارہ سمجھ لیا جائے اگر برف کی ضرورت ہے تو اس کو پیدا کرنے کے لئے وہی اسباب و وسائل پیدا کرنے ہوں گے جو اس کو پیدا کر سکیں۔ اگر آگ جلانی ہے تو برف کے دو ٹکڑے رگڑ کر نہیں جلائی جا سکتی۔ اس کے لئے چقماق ضروری ہے۔ غرض کوئی کام بھی ہو وہ صرف اسی وقت انجام پا سکتا ہے کہ جب صحیح طور پر اس کے اسباب و وسائل بہم نہ پہنچ جائیں۔

پس اگر صحت مند زندگی بسر کرنا مقصود ہے تو ضروری ہے کہ سب سے پہلے حفظ صحت کے اصولوں کو جانا جائے اور دیانت کے ساتھ ان پر عمل کیا جائے۔ صحت کو تباہ و برباد کرنے والی چیزوں سے پیچھا چھڑایا جائے اور ان عادتوں کو اختیار کر لیا جائے جن سے صحت بنتی ہے۔ یہ توقع کرنا کہ ہم امر ہیں بیماریاں دوسروں کے لئے ہیں۔ عافیت اور صحت ہمارا حصہ ہے۔ کوئی بیماری ہمارے قریب بھی نہیں بھٹک سکتی۔ یہ محض خوش فہمی بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں خود فریبی ہے۔ جس طرح دو اور دو چار ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح انسان کا کردار اور اس کا عمل اس کے مستقبل کی سلامتی یا بربادی کا غماز اور مظہر ہوتا ہے۔

❖

رزق حلال اور قناعت

انسان پر اللہ جل شانہٗ کا سب سے بڑا فضل و کرم یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو گویائی سے نوازا ہے، یعنی اسے زبان عطا فرمائی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنے ذہن و قلب کی بات دوسروں تک پہنچا سکتا ہے اور دوسرے انسانوں کی بات سمجھ کر افہام و تفہیم اور سمجھ بوجھ سے ایک ایسا معاشرہ قائم کر سکتا ہے کہ جس کی اساس اخلاق اور جس کی بنیاد امن و محبت ہو اور اس سے بڑا فضل و کرم یہ ہے کہ انسان کو عقل عطا فرمائی ہے۔ فکر کی طاقت دی ہے۔ سوچنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ فیصلہ پر قدرت بخشی ہے۔ اور اس سے بڑا فضل و کرم یہ ہے کہ انسان کو اللہ تبارک تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز کیا ہے۔ یعنی اس کرۂ ارض پر جتنی مخلوقِ خدا ہے چرند، پرند، حیوانات انسان کو ہر ایک پر فضیلت حاصل ہے۔ ہر جاندار پر اسے برتری حاصل ہے اور بے جان پر اسے قدرت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان کو نیک و بد، اچھے اور برے میں تمیز کرنے کی صلاحیت دی ہے تاکہ وہ اپنے لئے اس دنیا میں سیدھے راستے اور صراطِ مستقیم کا فیصلہ کر سکے اور آخرت کا سامان کر سکے۔

آپ ذرا سی دیر کے لئے غور فرمائیے کہ اگر انسان کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہوتا تو اس انسان اور جانور میں کیا فرق ہوتا۔ اگر انسان گویائی، فہم و فراست، دانائی اور عقل و خرد سے محروم رکھا جاتا تو پھر وہ بھی ایک ایسا ہی حیوان ہوتا جیسے اس دنیا میں دوسرے حیوان ہیں۔ اگر انسان کو حیوان پر برتری حاصل ہے اور ضرور حاصل ہے تو پھر اس برتری کا مظاہرہ بھی ضرور ہونا چاہیئے اور انسان کو اپنے عمل و

کردار و اخلاق اور اپنے سلوک و اسلوب سے ثابت کرنا چاہیئے کہ اسے حیوان پر برتری حاصل ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بھوک اور پیاس کے باعث ایک حیوان اور جانور جہاں چاہتا ہے منہ ڈال دیتا ہے کسی کا مال ہو وہ ہڑپ کر جاتا ہے اور ہضم کر جاتا ہے اور اسے اس کے جائز و ناجائز ہونے میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ وہ حرام و حلال میں کوئی تمیز نہیں کر سکتا کیونکہ وہ حیوان محض ہے عقل سے خالی ہے فہم سے عاری ہے۔

ایک بزرگ تھے وہب ابن الوود' ان کا مزاج یہ تھا کہ وہ کوئی چیز نہ کھاتے تھے' نہ پیتے تھے جب تک معلوم نہ ہو جاتا تھا کہ وہ چیز ان تک کن ذرائع سے پہنچی ہے۔ ایک دن ان کی والدہ نے دودھ کا پیالہ پینے کو دیا۔ آپ نے پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا ہے' اس کی قیمت کہاں سے ادا ہوئی اور کس شخص سے خریدا گیا ہے۔ ابن الوود یہ سب کچھ معلوم کر چکے مگر اطمینان پھر بھی نہ ہوا۔ آخر میں یہ پوچھا کہ بکری نے' جس کا دودھ یہ ہے' چارہ کہاں سے کھایا تھا؟ انہیں معلوم ہوا کہ اس بکری نے ایک ایسی چراگاہ سے گھاس کھائی تھی جس پر مسلمانوں کا کسی طرح بھی کوئی حق نہ تھا۔ بس انہوں نے دودھ پینے سے انکار کر دیا۔ والدہ معظمہ کے اصرار پر فرمایا:

"بے شک اللہ رحمٰن ہے اور رحیم ہے۔ وہ رحمت کرنے والا ہے۔ میں اس کی رحمت کو گناہ سے آلودہ نہیں کر سکتا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا اور اس سے پوچھا "کیا کام کرتے ہو؟"

اس نے کہا "عبادت کرتا ہوں۔"

حضرتؑ نے فرمایا: کھانا کہاں سے کھاتے ہو۔۔۔؟"

اس نے جواب دیا "میرا ایک بھائی ہے جو مجھے کھانا وغیرہ کھلاتا ہے۔"

فرمایا: پھر تمہارا بھائی تم سے زیادہ عبادت گزار ہے۔"

ان دو حکایتوں سے چند نہایت اہم نکات واضح ہوتے ہیں۔ سب سے اہم نکتہ حلال روزی کا پیدا ہوتا ہے۔ یعنی حلال روزی وہ ہے جسے انسان اپنی محنت سے پیدا کرے۔ اور حلال روزی وہ ہے جو قطعی جائز ذرائع سے کمائی جائے۔ اسلام اپنے پیروؤں کو دولت کمانے کی اجازت دیتا ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ کمائی کے طریقوں میں اجتماعی مفاد کے لحاظ سے جائز اور ناجائز کا امتیاز پیدا کیا جائے۔ یہ امتیاز اس قاعدے کلیئے پر مبنی ہے کہ کمائی کے وہ تمام طریقے اور راستے ناجائز ہیں جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے شخص یا اشخاص کے نقصان پر ہو' اور کمائی کا ہر وہ طریقہ جائز ہے جس میں فوائد کا مبادلہ اشخاص کے درمیان منصفانہ طور پر ہو۔

قرآن مجید و فرقان حمید نے اس قاعدے کلیئے کو اس طرح بیان کیا ہے:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقوں سے نہ کھایا کرو بجز اس کے تجارت ہو آپس میں رضا مندی کے ساتھ' اور تم خود اپنے آپ کو (یا) آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک نہ کرو۔ اللہ تمہارے حال پر مہربان ہے۔ جو کوئی آپس میں حد سے تجاوز کر کے ظلم کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم آگ میں جھونک دیں گے۔"

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اکتساب مال کی جن صورتوں کو حرام قرار دیا ہے' وہ یہ ہیں:

رشوت اور غصب۔ خیانت۔ چوری۔ یتیم کے مال میں بے جا تصرف۔ ناپ تول میں کمی۔ فحش پھیلانے والے ذرائع کا کاروبار، قحبہ گری اور بدکاری کی آمدنی۔ شراب کی صنعت۔ جوا۔ بت گری۔ بت فروشی۔ بتخانوں کی خدمات۔ قسمت بتانے اور فال گیری کا کاروبار۔ سود خوری۔

مذکورہ بالا تمام ذرائع سے جو روزی حاصل ہو گی' اسلام ان سب کو حرام قرار دیتا ہے۔ حلال روزی صرف وہی ہو سکتی ہے کہ انسان محنت کرے، دیانت و امانت کو پیش نظر رکھے۔ کسی کا حق نہ مارے کسی کو تکلیف نہ دے۔ فرائض اور حقوق کا خیال رکھے اور یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ ہی رزاق ہے اور وہی اکل حلال کا سامان کرتا ہے پس اللہ سے ہی صراط مستقیم کی استدعا کرے۔

قناعت اور دیانت حلال روزی کے بنیادی نکتے ہیں۔ قناعت یہ ہے کہ انسان اپنی ضرورتوں کو جائز حدود میں رکھے اور ہوائے نفس میں گرفتار نہ ہو۔ جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر صبر و شکر کرے۔ جب دیانت اور امانت کا نکتہ انسان کے ذہن میں رہتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سب حال روشن ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے تو انسان روزی کمانے کے جائز ذرائع ہی اختیار کرتا ہے اور پھر قناعت اس کا مزاج بن جاتی ہے:

سورۃ المؤمنون میں ارشاد باری تعالیٰ ہے جسکو سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے امت تک پہنچا دیا ہے کہ:

"اے پیغمبر حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔"

نیک عمل اور عمل صالح انسان کو راہ راست پر رکھتے ہیں اور وہ حلال و حرام میں تمیز کرنے کے قابل رہتا ہے، لیکن یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ اگر انسان حلال کی تمیز سے غافل ہو کر حرام کھانے لگے تو وہ عمل صالح سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

میں نے جناب وہب ابن الوود کی مثال دی ہے کہ انہوں نے اس بکری کا دودھ پینے سے انکار کر دیا جس نے ایک ایسی چراگاہ سے پیٹ بھرا تھا جس پر مسلمانوں کا کوئی حق نہ تھا۔

باقی صفحہ ۲۰ پر

تحریر: محمد ایوب ندیم

۱۸۵۷ء کے بعد دینی تعلیم کے لئے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا لائحہ عمل

انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں بڑا نازک اور اہم تھا۔ برطانوی اقتدار ہندوستان کے طول و عرض میں اپنی بنیادیں مستحکم کرنے میں ہمہ تن معروف تھا۔ کفر و شرک کا بادل برصغیر کے افق پر چھا رہا تھا۔ انگریزوں نے قدیم تہذیب و تمدن اور اسلامی علوم و فنون مٹانے اور نئی تہذیب کی بنیادیں ڈالنے کی کوششیں تیز تر کر دیں معنداً قدیم تعلیم کی بجائے انگریزی تعلیمی اسکیم سرکاری طور پر رائج کر دی گئی۔ ان حالات میں سخت اندیشہ تھا کہ اسلامی حکومت کے ساتھ ساتھ خدانخواستہ کہیں اسلامی علوم بھی رخصت نہ ہو جائیں۔ علمائے وقت میں اس خطرے کی شدت کا سب سے زیادہ احساس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو تھا۔ مولانا نانوتویؒ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں برطانوی اقتدار پر ایک ضرب کاری لگا چکے تھے جو "معرکۂ شاملی" کے نام سے تاریخ کا ایک روشن عنوان ہے۔ انگریز کی زبردست قوت کے مقابلے میں اگرچہ یہ مہم ناکامی پر منتج ہوئی اور ہندوستان کے گلے میں غلامی کا طوق ڈال دیا گیا، مگر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے دل و دماغ اور فکر و نظر نے ہمت نہ ہاری۔ انہوں نے اس سپاہی کی طرح جو میدانِ جنگ سے ہٹ کر نئے مورچے کی تیاری میں معروف ہو جاتا ہے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیئے تعلیمی میدان کا انتخاب کیا۔

مولانا نانوتویؒ جانتے تھے کہ جب تک مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے چنداں بہرہ ورنہ کیا جائے گا اور ان کے دل میں اسلامی جذبہ پوری طرح پیدا نہیں ہوگا، آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے تعلیمی میدان کی طرف اپنی تمام تر توجہ مبذول کر دی۔ اس انتخاب میں دو مقاصد پیش نظر تھے۔ پہلا مقصد برطانوی سامراج کا ہندوستان سے انخلاء اور دوسرا مقصد مسلمانوں کو مذہبی تعلیمات سے بہرہ ور کرنا تاکہ برطانوی حکومت اسلامی علوم و فنون اور تعلیمات کو مٹانے کی سازشش میں ذرہ برابر کامیاب نہ ہو سکیں۔ ان مقاصد کے پیش نظر مولانا نانوتویؒ نے ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں ایک مدرسہ دیوبند میں قائم کیا، جو آج بھی دارالعلوم دیوبند کے نام سے ایشیا کا جامعہ ازہر سمجھا جاتا ہے جس سے ہزاروں تشنگانِ علوم سیراب ہو کر نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے ایشیا اور افریقہ میں مسلمانوں کی دینی رہنمائی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ درس و تدریس، وعظ و تقریر، تصنیف و تالیف، رشد و ہدایت، سیاست و خطابت اور حکمت و صحافت کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جس میں فضلائے دارالعلوم دیوبند کی خدمات نمایاں ترین نہ ہوں۔ اس مدرسے نے وہ عظیم لوگ پیدا کیئے جو اپنے عظیم کارناموں کی وجہ سے تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھے جائیں گے اور دنیا انہیں کبھی نہ بھلا سکے گی۔ حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع اور ایسے ہزاروں مجاہدین اسلام اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ دارالعلوم دیوبند کی طرح مولانا نانوتویؒ نے مراد آباد اور گلاؤٹھی وغیرہ کے علاوہ کئی مقامات پر مدارس عربیہ قائم کیئے۔ ان مدارس سے بھی ان کے فضلاء کی ایک بڑی تعداد اطرافِ ملک پھیلی ہوئی ہمہ تن دینی خدمات میں مشغول ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم اور دیگر مدارس عربیہ قائم کر کے اسلام کی جو خدمت اور برطانوی سامراج سے جو ٹکر لی وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

؎ وہی مؤمن ہے جسکو دیکھ کر باطل پکار اٹھے
کہ اس مردِ خدا پر چل نہیں سکتا فسوں میرا

یہاں پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ دارالعلوم کی طرز پر یہ مدارس عوامی چندوں پر قائم کیئے گئے تھے، اس لیئے ناگزیر تھا کہ مدارس

کے پرانے نقشے میں نئے رنگ بھرے جائیں، جو وقتی حالات کے مطابق اور ان سے ہم آہنگ ہوں، اس کے پیش نظر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے جو دستور العمل تجویز فرمایا ہے وہ درحقیقت تعلیمی اداروں کے لئے بنیادی دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے محور پر ہند و پاک کے تمام مذہبی ادارے گردش کر رہے ہیں کیونکہ برصغیر پاک و ہند کے تمام مدرسے اسی مدرسہ کے قیام کے بعد ہی معرض وجود میں آئے۔

مولانا نانوتویؒ کا تجویز کردہ **دستور العمل** آٹھ دفعات پر مشتمل ہے، جس کا مختصرا تذکرہ رقم کئے دیتا ہوں۔

۱۔ پہلی دفعہ میں زیادہ سے زیادہ چندے کی فراہمی پر زور دیا گیا۔

۲۔ دوسری دفعہ میں اس امر پر توجہ دلائی گئی کہ طلبہ کے خورد و نوش کے مسئلہ کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی جائے۔

۳۔ تیسری دفعہ مدارس کے انتظامی امور سے متعلق ہے۔ اس میں منتظمین کو باہمی اتحاد اور یکجہتی اور اخلاص کی تلقین کرتے ہوئے تنبیہ کی گئی ہے کہ دوسروں کے مخلصانہ مشورے کو محض اپنی بات کی پچ کیلئے رد نہ کیا جائے۔ اگر اس امر پر عمل نہ کیا گیا تو مدارس کی بقاء اور ان کی زندگی دشوار ہو جائے گی۔

۴۔ اس میں اساتذہ کے متفق المشرب ہونے پر زور دیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کی گئی ہے کہ اساتذہ کو خود بینی اور دوسروں کے درپے آزار نہ ہونا چاہیے ورنہ مدارس کے لئے یہ چیز موت کا پیغام ثابت ہو گی۔

۵۔ پانچویں دفعہ میں کتابوں کی مقررہ خواندگی پر زور دیا گیا اور تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر اس پر عمل نہ کیا گیا تو مدارس کی تعلیمی روح مضمحل ہو جائے گی۔

۶۔ یہ دفعہ چندے کے متعلق ہے، اس میں بطور خاص اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دولتمندوں کے چندوں کی بجائے غریبوں کے چندوں کو زیادہ اہمیت دی جائے۔ مستقل آمدنی کی بجائے ایک قسم کی بے سرو سامانی زیادہ مفید ہو گی۔ اس میں خدا کا خوف و رجا اور رجوع الی اللہ کا سرمایہ جو اصل دولت ہے ہاتھ سے جانے نہیں پاتا۔

۷۔ ساتویں دفعہ میں حکومت کی امداد سے اجتناب کی تلقین کی گئی ہے۔

۸۔ آٹھویں دفعہ میں یہ تبلایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت ہے جو اپنے چندے سے شہرت اور ناموری کے امیدوار نہ ہوں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تجویز کردہ اس **"دستور العمل"** پر عمل کا ہی نتیجہ تھا کہ دار العلوم دیوبند آج ایک عظیم مدرسہ ہے اور اس مدرسے نے اسلامی تعلیمات کو پھیلانے میں جو کردار ادا کیا وہ تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جاتا رہے گا۔ حضرت اکبر الٰہ آبادی نے دار العلوم کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے ؎

ہے دل روشن مثال دیوبند
اور ندوہ ہے زبان ہوشمند
گر علی گڑھ کی بھی تم تشبیہ دو
ایک معزز پیٹ بس اس کو کہو

بقیہ: رزق حلال......

اکل حلال کی یہ معراج ہے اور ہمارے لئے ایک ایسا نمونۂ عمل ہے کہ ہمیں اس کا اتباع کرنا چاہیے کہ یہی ہمارے لئے راہ نجات ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور افضل الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بندہ حرام مال کمائے پھر اس میں سے اللہ کی راہ میں صدقہ کرے تو یہ صدقہ اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر اپنی ذات اور گھر والوں پر خرچ کرے گا تو برکت سے خالی ہو گا اور اگر وہ اس کو چھوڑ کر مرا تو وہ اس کے لئے جہنم کے سفر میں زاد راہ ہو گا۔

حضور سرور کائناتؐ کے اس قول فیصل کے بعد ہم کو اپنے حالات کا جائزہ لینا چاہیے اور اگر ہم غلط راہوں پر چل رہے ہیں تو اس راہ کو سیدھا کر لینا چاہیئے اور سمجھ لینا چاہیئے کہ قانون فطرت اور اصول قدرت یہ ہے کہ انسان نیک عمل کرے۔ بھلائی کی راہ اختیار کرے۔ انسان انسان سے محبت کرے اور کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔

اپنی روزی حلال ذرائع سے کمائے۔ اپنی محنت سے پیدا کرے اور جو مل جائے اس پر قناعت کرے۔ دیانت اور امانت کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ بے شک ایسے اللہ کے بندوں کے لئے برکت ہی برکت ہے۔ مگر جو لوگ غلط راستے اختیار کرتے ہیں۔ ہم نے دیکھ لیا ہے اور ہر ایک کا تجربہ ہے کہ وہ کبھی خوش اور مطمئن نہیں رہ سکتے۔ وہ اس دنیا میں بھی بالآخر خوار ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لئے سزا ہی سزا ہے۔

حلال روزی اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل ہے۔ یہ اللہ کا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانان عالم کو عمل صالح کی توفیق عطا فرمائیں اور حلال روزی کے ذریعہ سے ہم پر اپنا رحم و فضل فرمائیں۔

دوکان برائے فروخت

ایک وسیع اور دو منزلہ دوکان ع ۱۸۶۰ اندرون دہلی گیٹ ملتان برقبہ تقریبا ۶۰ مربعہ گز برائے فروخت ہے۔
- بالائی منزل کا قبضہ فوری بوقت رجسٹری۔
- کرایہ دار دوکان کی بیدخلی حسب ضابطہ قانون داخلی

صافی سوداگران بیگ بلیٹر
محلہ سادات بیرون دہلی گیٹ ملتان شہر

شہر شہر سے — قمر ہاشمی

ہماری جنگ انگریز کے خلاف تھی اور اب انگریزی نظام کے خلاف ہے

ہم فرقہ وارانہ جنگ میں فریق بننے اور کسی مذہبی فرقہ کو حریف ماننے کے لئے تیار نہیں۔

راولاکوٹ میں تاریخی سیرت کانفرنس سے مولانا زاہد الراشدی کا خطاب

قاری محمد نذیر فاروقی

پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کی تقریبات کے سلسلہ میں جامعہ اسلامیہ راولاکوٹ کے زیر اہتمام دو روزہ سیرت کانفرنس ۴۔ ۵ ستمبر ۸۰ء کو ہائی سکول کے وسیع گراؤنڈ میں منعقد ہوئی جس میں آزاد کشمیر کے طول و عرض سے سینکڑوں علماء کرام اور ہزاروں دینی کارکنوں نے شرکت کی اور اسلامیان کشمیر نے دینی حمیت و غیرت اور اکابر علماء حق کے ساتھ والہانہ عقیدت کا پرجوش مظاہرہ کیا۔

پہلی نشست آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار محمد ابراہیم خان کی زیر صدارت ۱۱ بجے دن منعقد ہوئی جس سے جمعیۃ علماء آزاد جموں و کشمیر کے مرکزی امیر شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف خان، مولانا عبدالغفور آف اسلام آباد، قاری محمد نذیر فاروقی، مولانا محمد یونس ہجیرہ اور مولانا محمد عبداللہ خطیب اعظم اسلام آباد نے خطاب فرمایا اور اکابر علماء دیوبند کی دینی و ملی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ اپنے عظیم اسلاف کی شاندار روایات پر عمل کر کے ہی ہم آج کے دور میں دین حق کی مؤثر خدمت کر سکتے ہیں۔

دوسری نشست استاذ العلماء مولانا مفتی امیر عالم صاحب کی زیر صدارت ظہر کی نماز کے بعد منعقد ہوئی جس سے مولانا خوشحال خان، مولانا فضل کریم مظفر آباد، مولانا قاری عبدالعزیز، مولانا ظہور احمد علوی مولانا محمد رمضان علوی اور مولانا سیف اللہ خالد نے خطاب کیا۔ مقررین نے توحید و رسالت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور عوام سے اپیل کی کہ وہ علماء حق کے نقش قدم پر چلیں اور اسلامی احکام پر عمل کریں۔

تیسری نشست بعد نماز عشاء جناب صاحبزادہ محمد زاہر آف بکوٹ شریف کی صدارت میں انعقاد پذیر ہوئی جس سے مولانا محمد حنیف خان، مولانا قاری ممتاز احمد زنگلر اور صوفی محمد صدیق نے خطاب کیا اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے نوجوانوں کو تلقین کی کہ وہ اپنی زندگیوں کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔

چوتھی نشست ۵ ستمبر کو جمعۃ المبارک سے قبل آزاد کشمیر کے صدر بریگیڈیئر محمد حیات خان کی صدارت میں منعقد ہوئی جس سے نظام العلماء پاکستان کے مرکزی ناظم مولانا زاہد الراشدی، نظام العلماء صوبہ پنجاب کے نائب امیر سید امیر حسین گیلانی، جمعیۃ علماء آزاد کشمیر کے امیر شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف خان، مولانا عبدالعزیز تھوراڑوی صاحبزادہ پیر زاہر بکوٹی، سردار مختار خان ایڈووکیٹ اور سردار عبداللطیف خان ایڈووکیٹ نے خطاب کیا۔

مولانا زاہد الراشدی نے کہا کہ ہمارے اکابر جب فرنگی سامراج کے خلاف آزادی کی جنگ لڑنے میں مصروف تھے اس وقت بھی ان پر کفر کے فتوے لگا کر ان کا رخ جنگ آزادی سے ہٹانے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن ہمارے اسلاف نے اس کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔

انہوں نے کہا کہ ہماری جدوجہد کا ہدف انگریزی نظام ہے اس لئے ہم فرقہ وارانہ جنگ میں فریق بننے اور کسی مذہبی فرقہ کو اپنا حریف ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ہمارا حریف فرنگی نظام ہے اور یہ جنگ فرنگی نظام کے مکمل خاتمہ اور خلافت راشدہ کی طرز پر اسلامی نظام کے نفاذ تک جاری رہے گی۔

پانچویں اور آخری نشست استاذ العلماء مولانا محمد الیاس خان آف چناری کی صدارت میں بعد نماز جمعہ منعقد ہوئی جس سے صاحبزادہ امداد الحسن نعمانی اور مولانا عبدالخالق نے خطاب کیا۔

کانفرنس میں ایک قرارداد کے ذریعہ بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالخلافہ قرار دینے کی شدید مذمت کی گئی اور عالمی رائے عامہ پر زور دیا گیا کہ اسرائیلی حکومت کو اس اقدام سے باز رکھنے کے لئے مؤثر دباؤ ڈالا جائے۔

قرارداد میں وزراء خارجہ کانفرنس کی

طرف سے جہاد کی تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے سارے عالم اسلام کے دلوں کی آواز قرار دیا گیا اور ہر قسم کی قربانی کا یقین دلایا گیا۔

دوسری قرارداد میں مقبوضہ کشمیر میں حریت پسند مسلمانوں پر بھارتی حکومت کے مظالم کی مذمت کرتے ہوئے اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ حق خود ارادیت کشمیری مسلمانوں کا بنیادی حق ہے جسے کسی ظلم اور تشدد کے ذریعہ دبایا نہیں جا سکتا۔

قرارداد میں بھارت کے مختلف شہروں میں ہونے والے مسلم کش فسادات کی مذمت کرتے ہوئے عالمی رائے عامہ اور مسلم حکومتوں سے اپیل کی گئی کہ بھارتی مسلمانوں کے قتل عام کی روک تھام کے لئے مؤثر قدم اٹھایا جائے۔

قرارداد میں پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا خیر مقدم کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا گیا کہ اسلامی قوانین پر مؤثر عملدرآمد کے لئے انتظامیہ کے ڈھانچے کو اسلامی نظام کے مطابق تبدیل کیا جائے اور عدالتی نظام میں جید علماء کرام کو شریک کیا جائے۔

قرارداد میں افغانستان پر روس کی مسلح حملہ کی شدید مذمت کرتے ہوئے عالم اسلام کی حکومتوں سے مطالبہ کیا گیا کہ روسی جارحیت کے خلاف افغان مجاہدین کی جد و جہد میں ان کی اخلاقی حمایت کے ساتھ ساتھ عملی مدد بھی کی جائے۔

اس موقع پر علماء آزاد کشمیر کا ایک کنونشن جامع مسجد راولاکوٹ میں مولانا محمد یوسف خاں کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں تین صد کے قریب کشمیری علماء، وکلاء اور دینی کارکنوں کے علاوہ پاکستان سے مولانا زاہد الراشدی اور مولانا امیر حسین گیلانی نے بھی شرکت کی۔ کنونشن میں دھیرکوٹ کے واقعہ کے پس منظر اور نتائج اور آزاد کشمیر میں فرقہ وارانہ کشمکش کو بھڑکانے والے عناصر کی سرگرمیوں پر غور کیا گیا اور طے کیا گیا کہ مسلکی طور پر باہمی رابطہ کو مستحکم کیا جائے۔

کنونشن میں ضلع پونچھ کی سطح پر دیوبندی علماء کی ایک مسلکی جماعت "تنظیم اہل سنت والجماعت" کے نام سے قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور مولانا مفتی عبد المتین فاضل دیوبند کی سربراہی میں کنوینگ کمیٹی قائم کر دی گئی جس میں مولانا محمد یاسین خان آف منگ اور مولانا عبد العزیز تھوراڑ وی شامل ہیں۔

کنونشن کی طرف سے مولانا محمد یوسف خاں کی قیادت میں وفد نے ڈپٹی کمشنر پونچھ سے ملاقات کر کے واقعہ دھیرکوٹ کے سلسلہ میں اپنے مطالبات پیش کئے۔ ڈپٹی کمشنر نے ان مطالبات پر ہمدردانہ غور کا وعدہ کیا۔

قارئین کرام سے

قارئین محترم! آپ یہ معلوم کر کے ضرور قلبی طور پر خوشی محسوس فرمائیں گے کہ آپ حضرات تک اس احقر راقم عفاء اللہ عنہ کے مضامین کا جو سلسلہ ہفت روزہ ترجمان اسلام کی معرفت پہنچتا رہا ہے اب اسے نئی ترتیب دے کر کتابی شکل دی جا رہی ہے جس سے تین عدد کتابوں کا مسودہ تیار ہے:

۱۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۲۔ کاروان اصحاب رسول اللہ (تذکرہ صحابہ کرام رض)
۳۔ کاروان اسلاف (تذکرہ علماء حق)

مگر سب سے اول الذکر کتاب کے مسودہ کی کتابت میں ہمارے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ جس کو کتابت کے لئے یہ مسودہ دیا ہے وہ اسے ہضم کر گیا ہے۔ اب تمام قارئین حضرات سے گزارش ہے کہ براہ کرم احقر کے ساتھ تعاون فرما کر مندرجہ ذیل ترجمان اسلام کے شمارہ جات روانہ فرما کر ممنون فرمادیں۔ کتابت کے بعد یہ سب پرچے آپ کو واپس کر دیے جائیں گے۔

۲۹ جون تا ۶ جولائی ۱۹۷۹ء شمارہ ۲۶، ۵ تا ۱۱ اکتوبر ۷۹ء شمارہ ۳۹، ۱۴ تا ۲۰ دسمبر ۷۹ء شمارہ ۵۰، یکم فروری تا ۷ فروری ۸۰ء شمارہ ۵

یہ صرف چار پرچے مندرجہ ذیل پتے

ہفت روزہ ترجمانِ اسلام لاہور

پاکستان میں اسلامی دستور اور قرآنی نظام کا علمبردار، حق و صداقت کا داعی، الحاد و زندقہ اور بدکرداری کا دشمن، اسلامی نظریات، عدل کا حامی اور تمام لادینی فتنوں کا جواب، اپنے بلند عزائم و مقاصد کے ساتھ عرصہ دراز سے دینی، قومی اور ملکی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ نظام العلماء پاکستان کے کارکنوں اور حساس و دردمند مسلمانوں سے التماس ہے کہ وہ اس اخبار اور اس کے افکار کی نشر و اشاعت میں حصہ لیں اور اس کی اشاعت بڑھانے میں ہمارے ساتھ تعاون کریں۔

پر روانہ فرماکر ممنون فرمائیں۔ شکریہ۔ یہ امانت آپ کو پھر واپس کردی جائے گی۔

پتہ: حافظ ارشاد احمد دیوبندی
اسلامی دواخانہ
ظاہر پیر، ضلع رحیم یار خان

دعا صحت کی اپیل

مدرسہ عربیہ دارالقرآن عثمانپور کے صدر مدرس جناب مولانا علی شیر اڈگاہی ۱۲ تاریخ رمضان المبارک سے ذیابیطس کی تکلیف میں ہیں۔ پاکستان کے مسلمان عوام سے التماس ہے کہ مولانا کے لئے دعا صحت کریں۔

محمد عثمان اڈگاہی
ضلع جیکب آباد عثمانپور (سندھ)

مفت

کتابچہ گلدستہ نماز اور پوسٹر وظائف لطائف وغیرہ خرچہ ڈاک ۵۰ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر مفت طلب کریں:

خاموش مبلغ محلہ سادات
بیرون دہلی گیٹ، ملتان

اظہار تعزیت

حسن ابدال: نظام العلماء کے راہنماؤں مولانا حامد علی رحمانی، مولانا سکندر خان، مولانا عبدالقادر فاضل دیوبند۔ مولانا قاری محمد داؤد، مولانا حافظ زمان خان صاحب۔ مولانا عبدالستار مدرس مدرسہ اشرفیہ حسن ابدال، مولانا تاج محمود، حکیم عبدالرحمن، مولانا عبدالقیوم قریشی نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں پنجاب کے مشہور عالم دین حضرت استاذ العلماء مولانا الحاج مفتی عبدالحق صاحب کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ ان راہنماؤں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے اور مولانا کی طرح ان کی اولاد کو بھی دین متین کے لئے قبول فرمائے۔ مولانا مرحوم کے فرزندان گرامی،

- الحاج مولانا حکیم احمد حسن قریشی،
- قاری محمود الحسن قریشی،
- مولانا محمد ابوبکر قریشی اور
- حسین احمد صاحب قریشی

کو اپنے عظیم باپ کی عظیم روایات زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

صدر پاکستان محمد ضیاء الحق
جناب چیئرمین صاحب
پاکستان ریلوے لاہور سے مطالبہ

جناب عالی! بعد عرض خدمت ہے کہ پڈعیدن جنکشن ضلع نوابشاہ میں سب سے بڑا ریلوے اسٹیشن ہے۔ یہاں تقریباً سب گاڑیوں کے اسٹاپ ہوا کرتے تھے لیکن افسوس چند سالوں سے اس بڑے اسٹیشن پر صرف دو گاڑیوں کے سوا باقی سب گاڑیوں کے اسٹاپ ختم کر دیے۔ پڈعیدن اسٹیشن گرد و نواح کھوڑا۔ دریا خان۔ ہالانی۔ مورو۔ شاہ پور۔ جہانیاں۔ نصاروشاہ مٹھانی۔ سکرنڈ جیسے دیگر شہروں کے افراد روزانہ ہزاروں کی تعداد میں اس اسٹیشن سے کراچی تا پشاور سفر کرتے تھے۔ میل ٹرینوں کے اسٹاپ ختم ہونے کی وجہ سے اس آبادی کے افراد کو بیجا پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جو دوسری ٹرینیں اس پڈعیدن اسٹیشن پر رکتی ہیں وہ ان ہزاروں مسافروں کے لئے ناکافی ہونے کی وجہ سے مسافروں کو جگہ نہیں ملتی جس کی وجہ سے مسافر پلیٹ فارم پر پڑے رہتے ہیں۔ براہ کرم ان مسافروں کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے اور اہلیان پڈعیدن جنکشن اسٹیشن ٹاؤن کے عوام نے مطالبہ کیا ہے کہ عوام ایکسپریس، تیز رو، تیزرو۔ تیز گام۔ خیبر میل۔ سپر ایکسپریس کے اسٹاپ بحال فرماکر ہزاروں مسافروں کی دعائیں لیں اور دوسری طرف ریلوے کی آمدنی میں اضافہ بھی ہوگا۔

چودھری اصغر علی خان، منشی عبدالکریم ارائیں، سیٹھ محمد شفیع، کرم بخش چشتی، ڈاکٹر خالد محمود مغل

حضرت مولانا مفتی عبدالحق
کی وفات پر اظہار تعزیت

ٹیکسلا کے علماء اہل سنت مولانا محمد صدیق، مولانا محمد داؤد، مولانا روشن دین، مولانا عبدالغفور، مولانا حافظ محمد سلیمان، مولانا محمود الحسن توحیدی، مولانا قاری محمد یونس، مولانا غلام محمد الدین انجمن شبان اسلام کے سیکرٹری جنرل صلاح الدین اور دیگر مذہبی اور تجارتی حلقوں نے ضلع اٹک کے موضع بھوئی گاڑ کے علمی خاندان کے ممتاز عالم دین مولانا الحاج مفتی حکیم عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ مشترکہ بیان میں کہا گیا کہ مفتی صاحب مرحوم کی وفات سے پیدا ہونے والا خلاء پر ہونا ناممکن ہے۔ ضلع اٹک کے اس ممتاز فقیہ نے فقہ کی بے لوث خدمت کی ہے۔ وہ میدان سیاست کے بھی شہسوار تھے۔ تمام مذہبی اور سیاسی حلقے ان کے علم تدبر سیاست فہمی فقاہت سخاوت اور اخلاق کریمہ کی بنا پر پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جملہ پسماندگان کو بالعموم اور آپ کے اخوان مولانا ضیاء الدین، مولانا شمس الدین اور فرزندان گرامی مولانا احمد حسن، مولانا محمود الحسن، مولانا محمد ابوبکر، مولانا حسین احمد صاحب کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے۔ آمین یا الہ العالمین

محمد یونس صدیقی
خطیب جامع مسجد بھیلیاں والی
ٹیکسلا۔ ضلع راولپنڈی

ترجمان اسلام میں
اشتہارات
دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔

آغا ارشد محمود
راولپنڈی

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

موت تو ہر ذی روح پر آنی ہے کیونکہ یہ دنیا فانی ہے، مگر بعض اموات بہت دیر جد ان کی کسک چھوڑ جاتی ہیں — شیخ القرآن کا سفر آخرت بھی بلاشبہ دلوں کو زخمی کرنے والی اموات میں سے ہے۔ لیکن جہاں ان کی دینی و ملی جد و جہد آخرت کا سرمایہ ہے وہاں اہل دنیا کے لئے ان کی یاد کو تازہ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

شیخ القرآن کیا تھے

توحید الٰہی کے ترجمان، قرآن و سنت کے قدردان تھے۔ وہ عالم تھے مگر عالموں میں ممتاز، وہ مفسر تھے مگر مفسرین میں یکتا تھے۔

آپ نے تحریک آزادی اور دیگر تحریکوں میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ علم و عمل کا یہ چراغ تو بجھ گیا، مگر اس کی روشنی موجود ہے۔ آیئے مل کر اس مرد درویش کے مشن کو زندہ رکھنے کی سعی کریں۔

شیخ القرآن کون تھے

وہ سر سے پاؤں تک شمشیر برہنہ، توحید و سنت کے علمبردار، کتاب اللہ کے شیدائی، سنت نبوی (علیہ السلام) کے مبلغ جن کا وجود متکبروں میں اذان کی صدا، لب و لہجہ میں تلوار کی دھار، خوف سے بیگانہ امتوں کی ہلاکت کا شارح الفاظ میں تیزی لیکن مطالب میں سچائی بیان میں طغیانی، دعوت و تذکیر کا مجسمہ۔ علماء کے چہروں کی آبرو افکار و اعمال میں متشدد مفاہمت و میثاق سے نفور۔ اکل کھرا انسان جس کا ذہن تھا کہ جب تک جان میں ہے جان حق پر پختہ ایمان اس جواں جیسا عبقری انسان مورخہ ۲۷ مئی ۱۹۸۰ء کو جہان فانی سے رخصت ہو کر عالم جاودانی میں جا بسا (اناللہ وانا الیہ راجعون) جی تو چاہتا ہے کہ آنسوؤں کے دریا بہا دوں، گریباں چاک کر ڈالوں عقل سے بیگانہ ہو جاؤں کہ آج جہات اربعہ سے آواز آرہی ہے

موت العالِم موت العالَم

الغرض وہ ایک زلزلہ تھا چل بسا ایک مفسر تھا چل دیا۔ ایک آفتاب تھا ڈوب گیا۔ ایک ماہتاب تھا چھپ گیا ایک خطیب تھا روپوش ہو گیا ایک مقرر تھا خاموش ہو گیا۔ غرضیکہ وہ ایک چراغ تھا بجھ گیا۔ اس کے جانے سے علمی بستیاں ویران ہو گئیں علمی شہر اداس ہو گئے دینی قلعے اجڑ گئے۔

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

المختصر مولانا غلام اللہؒ جو ساری عمر حق و صداقت کی شمشیر برہنہ ہاتھ میں لئے شیطانی قوتوں اور ابلیسی لشکروں کا تعاقب کرتے رہے، وہ کونسی جگہ ہے یا کونسی بستی یا کونسا قریہ ہے انہوں نے جہاں کلمۃ الحق بلند نہیں کیا۔ اس کے پیش نظر وہ ایک مبلغ ہی نہیں تھے بلکہ ایک معلم بھی تھے۔ ان کے حلقۂ درس میں پاکستان ہی نہیں ایران، افغانستان، عراق، شام، مصر سعودیہ اور دیگر اسلامی ممالک سے بڑے بڑے عالم اور طلبہ آتے۔ مولانا مرحوم علمی مقام میں وقت کے کئی علماء سے اونچے تھے۔ آپ کو نہ صرف قرآن کے فہم پر ہی عبور حاصل تھا بلکہ حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، ریاضی، علم کلام کے بھی ماہر تھے۔ آپ فہم میں امام المفسرین رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب نور اللہ مرقدہ اور علم حدیث میں خاتم المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہ اور علم منطق فلسفہ ریاضی میں حضرت مولانا بابا غلام رسول صاحب الہی گجرات کے نامور شاگرد تھے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ

ع ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

آپ سید احمد شہیدؒ کی سپاہ کے شاہسوار تھے۔ آپ نہ صرف علم کے تاجدار تھے بلکہ استقامت کے پہاڑ بھی تھے تبلیغی زندگی میں آپ کو کئی بار پابند سلاسل بھی رکھا گیا۔ آپ پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ وتعز من تشاء و تذل من تشاء کی زندہ تفسیر تھے۔

طلباء کی ڈائری — از محمد ادریس

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان سے بھرپور تعاون کیا جائے، مفتی محمود مدظلہ

مرکزی اور صوبائی سطح پر سرپرست مقرر کر دیے گئے۔

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے ایک نمائندہ وفد سے ملاقات کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود نے کہا کہ طلبہ ہمارے دست و بازو ہیں اور یہ نوجوان اسلامی انقلاب کی جدوجہد میں ہمارے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا جمعیۃ طلبہ اسلام سے بھرپور تعاون کیا جائے۔ انہوں نے طلبہ کی خواہش پر مرکزی اور صوبائی سطح پر سرپرستوں کا تقرر کر دیا جن سے طلبہ مشورہ لیا کریں گے۔ مولانا مفتی محمود نے ان سرپرست حضرات کے ناموں کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ مولانا محمد اجمل خان مرکزی سرپرست ہوں گے جبکہ صوبہ پنجاب کے ساتھی بھی ان کے مشورہ سے کام کریں گے۔ صوبہ سرحد میں سابق مرکزی وزیر جناب حاجی فقیر محمد جمعیۃ طلبہ اسلام کے سرپرست ہوں گے۔ صوبہ سندھ میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب آف بیر شریف سرپرستی فرمائیں گے۔ صوبہ بلوچستان کے کارکن مولانا محمد خان شیرانی کی سرپرستی میں چلیں گے۔

جمعیۃ کے راہنماؤں

کی مولانا مفتی محمود

سے ملاقات

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کی مرکزی تنظیمی کمیٹی اور صوبائی مجالس عاملہ کے اجلاس میں کئے گئے فیصلے کے مطابق جمعیۃ طلبہ اسلام کے راہنماؤں نے ۱۵ ستمبر کو مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں جناب ندیم اقبال اعوان، خیبر میڈیکل، ڈاکٹر نذیر احمد بھنبھوار۔ نظام الدین پانیزئی، خالد محمود ڈوگر اور راقم الحروف (محمد ادریس) نے شرکت کی۔ ملاقات کے دوران مولانا مفتی محمود نے کہا کہ آپ ہمارے دست و بازو بنیں اور ہمارے ساتھ مل کر کام کریں اور علماء حق کے مشورے سے اپنے لئے لائحہ عمل تیار کریں۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ طلبہ اور علماء کے درمیان گہرا رابطہ ہونا ضروری ہے لہٰذا علماء کو چاہیئے کہ وہ طلبہ سے تعاون کریں اور طلبہ کو چاہیئے کہ وہ علماء سے بھرپور رابطہ رکھیں اور ان سے مشورہ لیں۔ اس طرح باہمی اعتماد کے ساتھ جدوجہد جاری رکھیں۔

آخر میں مولانا مفتی محمود نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ جب علماء سے رابطہ رکھیں گے تو میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ جب اپنے اکابر میں سے کسی ایک کے پاس جائیں تو اس وقت کسی دوسرے بزرگ کے بارے میں بالکل کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے ان کے درمیان دوری یا سوءِ ظن پیدا ہو۔ اس سلسلہ میں انتہائی محتاط رہیں اور یہ بزرگوں کی مجلس کا ایک ادب ہی ہے اس کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

ایک ضروری وضاحت

ترجمان اسلام کے شمارے میں طلبہ کے صفحے پر گکھڑ کی عید ملن پارٹی کی رپورٹ شائع ہوئی جو کہ طلبہ کی ڈائری کے ضابطے کے خلاف غلطی سے براہ راست شائع ہو گئی۔ حالانکہ ترجمان اسلام کو براہ راست بھیجی جانے والی رپورٹیں اور خبریں طلبہ کے صفحے پر نہیں چھپتیں بلکہ جمعیۃ طلبہ اسلام کے مرکزی دفتر کے پتے پر ارسال کی جانے والی خبریں ہی شائع ہوتی ہیں۔

یہ رپورٹ غالباً کسی ہفت روزہ کے نمائندے نے مرتب کی تھی۔ اس میں دوسری الجھنوں کے علاوہ ایک غلطی یہ بھی تھی کہ جمعیۃ طلبہ اسلام کا قیام ۱۹۷۰ء میں عمل میں آیا۔ جس کی وضاحت ضروری سمجھی گئی ہے۔ ساتھی نوٹ فرمالیں کہ جمعیۃ طلبہ اسلام کی باقاعدہ تشکیل ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں ہوئی حسب سابق جمعیۃ طلبہ اسلام کا یوم تاسیس منانے کے لئے باقاعدہ اس سال بھی پروگرام تشکیل دیے جائیں گے۔

مرکزی دفتر میں

درس قرآن

جمعیۃ طلبہ اسلام ضلع لاہور کے زیر اہتمام سلسلہ وار درس قرآن شروع کرنے کا فیصلہ

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

گذشتہ دنوں مناظرِ ختمِ نبوت مولانا محمد حیات صاحب انتقال کر گئے۔ اِنّا لِلّٰہ وانّا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا ایک زبردست مناظر تھے۔ انہوں نے قادیانیوں کو ہر میدان میں شکست دی اور اپنی ساری عمر قادیانیت کے خلاف جہاد میں گذاری۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بھوئی گاڑ سے مولانا مفتی عبدالحق بھی داغِ مفارقت دے گئے۔ مرحوم جمعیۃ طلبہ اسلام کے مشفقین میں سے تھے۔ انہیں نوجوانوں کی تربیت سے گہرا لگاؤ تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

جمعیۃ طلبہ اسلام کے راہنماؤں جناب ندیم اقبال اعوان، ظہیر میر نے ان بزرگوں کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور ان دونوں بزرگوں کی رحلت کو ملتِ اسلامیہ کے لئے نقصانِ عظیم قرار دیا ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کو جنت میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جمعیۃ طلبہ اسلام بلوچستان کا
عظیم الشان
کنونشن
بتاریخ ۲-۳-۴ اکتوبر ۸۰ء
بمقام لورالائی
جس میں
جمعیۃ طلبہ اسلام کے مرکزی
اور صوبائی قائدین کے علاوہ نامور علماء دین بھی
شرکت کریں گے۔

کیا گیا ہے۔ یہ درس ہر ماہ کی پہلی اتوار کو بعد نماز مغرب مرکزی دفتر 8/۴ شاہ عالم مارکیٹ میں ہوا کرے گا۔ اس سلسلے میں راولپنڈی کے نوجوان سکالر اور محقق جناب علامہ سعید احمد خان جو کہ مولانا غلام اللہ خان کے شاگردوں میں سے ہیں ان کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر علماء کرام کو بھی وقتاً فوقتاً درسِ قرآن کے لئے دعوت دی جائے گی۔ گذشتہ دنوں اس سلسلہ کا پہلا درس ہوا جس میں علامہ صاحب نے فاتحۃ القرآن کے تفسیری نکات بیان کئے اور فاتحہ پر وارد اعتراضات کے جواب دیے۔

ضلع لاہور کی تنظیم

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی چیف آرگنائزر نے متعلقہ صوبائی صدر کے مشورے سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ضلع لاہور کی تنظیم براہ راست مرکز کے ماتحت ہوگی۔ یہ فیصلہ تنظیم کو ضلع میں مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے ضلع لاہور کی اہمیت کے پیش نظر کیا گیا ہے۔

تعارفی مہم

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کی تعارفی مہم کی تیاریاں ابھی سے شروع کر دی جائیں۔ اس سلسلے میں جگہ جگہ تعارفی نشستوں اور بڑے اجتماعات کا اہتمام کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ طلبہ کو اپنی دعوت پہنچائی جائے۔ تعارفی مہم کے بارے میں آپ مرکزی ہدایات کے منتظر رہیں۔ انشاء اللہ وقت پر ایک سرکلر کے ذریعے تفصیلی ہدایات بھیج دی جائیں گی۔ نیز تعارفی مہم کو وسیع پیمانے پر چلانے کے لئے فنڈز کی فراہمی کے لئے جو صوبائی حضرات آپ کے پاس آئیں ان سے بھرپور تعاون کریں تاکہ تعارفی مہم کو کامیاب بنایا جا سکے۔